اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر: دارالعلوم - ۴ فون نمبر: رہائش - ۲

جلد : ۲۰
شمارہ : ۱

ماھنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک

محرم الحرام ۱۴۰۵ھ
اکتوبر ۱۹۸۴ء

مدیر : سمیع الحق

★

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ -/۴۰ روپے — فی پرچہ چار روپے
بیرون ملک ہوائی ڈاک دس پونڈ — عام بحری ڈاک چھ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

نئے سال ۱۴۰۵ ہجری کے آغاز کے ساتھ ماہنامہ الحق نے زندگی کے انیس ۱۹ سال پورے کرلئے اور حیات مستعار کی بیسویں منزل میں قدم رکھا۔ یہ سفر کا ایک طویل عرصہ ہے جو محض فضل ایزدی سے پورا ہوا۔ نہ وسائل تھے نہ مادی ذرائع پھر جو کچھ بھی ہوا تو خداوند کریم ورحیم کے الطاف وعنایات ہی سے ہوا۔ اب جبکہ الحق زندگی کی دوسری دہائی کے آخری سال سے گزر رہا ہے، ہماری دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی توفیق وہدایت کے دروازے اس پر کھولے رکھے اور انہی رحمتوں سے نوازتا رہے جس سے اب تک الحق کو مالامال فرمایا اور اس کے خدام ومنتظمین اور مضمون نگاروں کو جادۂ حق پر اس طرح گامزن رکھے کہ اس کا ہر جملہ ہر سطر اور ہر جنبش قلم اظہار حقیقت، وضوح حق اور اعلاء کلمۃ الحق کا ذریعہ بنے۔

★

ایرانی انقلاب کے رہنما "آیت اللہ" روح اللہ خمینی جنہیں دنیا ایک زمانہ اسلامی اتحاد وانقلاب کا علمبردار سمجھتی چلی آرہی تھی مگر اب جب پردہ ہٹنے لگا ہے تو شیعہ عصبیت، تعصب، افتراق وانتشار، صحابہؓ دشمنی کی ایک بھیانک صورتحال سامنے آرہی ہے کہ جنہیں سن کر اور پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی کتاب کشف الاسرار اور دیگر کتابوں میں معتقدات اہل سنت کے بارہ میں کون سے اتہامات والزامات ہیں جو موجود نہیں ہیں اور خلفاء ثلثہ اور صحابہ رسولؐ کے بارہ میں وہ کون سا شرمناک ظالمانہ انداز فکر ہے جسے اختیار نہیں کیا گیا وہ ابوبکرؓ وعمرؓ کو لعنت وملامت کا سزاوار سمجھتے ہیں وہ حضورؐ کے اکثر صحابہؓ کو منافق قرار دیتے ہیں وہ قرآن کے تحریف کے قائل ہیں۔ یہ سب چیزیں اپنی اصل عبارتوں اور حوالوں کے ساتھ اب سامنے آرہی ہیں مگر وہ لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں مسلمانوں کے اتحاد کی دعوت کا اور اپنے ٹھیٹ غیر اسلامی یا کم از کم شیعہ انقلاب کو برابر اسلامی انقلاب کہلانے اور منوانے پر مصر ہیں۔ مگر وہ اپنے اس لبادہ کو بھی برقرار نہ رکھ سکے اور شیعہ فرقے کے آٹھویں امام امام رضاؒ کے یوم ولادت کی مناسبت سے اپنی قیامگاہ پر منعقد ہونے والی ایک خصوصی مجلس میں تو گویا از خود اپنے آپ کو بے نقاب کر بیٹھے اور اس مجلس میں شریک حکومت کے اعلیٰ حکام اور سینئر فوجی حکام جن میں صدر مملکت ایران، وزیر اعظم اور چیف جسٹس بھی شریک تھے ایسی صراحت اور صفائی کے ساتھ اپنے نظریات کا اظہار فرمایا جو امپیکٹ انٹرنیشنل لندن کے الفاظ میں ان کے برپا کئے ہوئے انقلاب کی برق رفتاری کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ ہم ممنون ہیں معاصر الفرقان لکھنؤ کے جس کے توسط سے ہمیں مجلہ امپیکٹ انٹرنیشنل کے شائع کردہ تقریر کے یہ اقتباسات پہنچے ——

آیت اللہ خمینی نے اپنے خطاب میں فرمایا :

" دو باتیں ان کے لئے اکثر رنج و قلق کا باعث بنی رہتی ہیں اور دونوں ہی ایک دوسرے سے زیادہ افسوسناک ہیں، ان میں سے ایک تو وہ (مستقل) ناکامی ہے جو صدر اسلام سے لیکر آج تک اس معیاری اسلامی حکومت کے قیام میں پیش آتی رہی ہے جو اسلام کا مطلوب ہے۔"

آگے چل کر خمینی صاحب کچھ اور بھی کھلتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :

" خود پیغمبر اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی مختلف دشواریوں، اختلافات اور حربی مصروفیتوں کی وجہ سے حکومت کا نظام اس نہج پر قائم نہیں کیا جا سکا تھا جیسا کہ آپ چاہتے تھے۔"

اس پر قناعت نہیں بلکہ تاریخ اسلامی کے پہلے اور واحد معیاری اسلامی حکومت کے بانی ہونے کے گھمنڈ میں خمینی صاحب نے آگے چل کر اپنے تمام ائمہ بالخصوص سیدنا علیؓ کے عہد خلافت پر بھی خط نسخ پھیرتے ہوئے کہا :

" بعینہٖ یہی بات تمام ائمہ کے زمانوں پر بھی صادق آتی ہے۔ امیر المومنین سیدنا علی کو اپنے زمانۂ خلافت میں جنگوں، باہمی تنازعوں اور ان منافقین کا سامنا رہا جو کفار سے بھی زیادہ بدتر تھے۔"

مگر حضور اقدس اور حضرت علیؓ کے درمیان تینوں خلفاء حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے ادوار کو وہ ایسا گول کر گئے کہ گویا تاریخ کے اس سلسلے سنہری اور معیاری عہد کا وجود ہی کہیں نہیں تھا۔ (اور خمینی اپنی کتابوں میں ان تینوں حضرات کو سازشی منافق اور کیا کیا کہتے آئے ہیں۔) ——— دوسری وہ افسوسناک بات جس نے خمینی کو رنج و قلق میں مبتلا کئے رکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور نے وصال سے قبل جو حقیقت یا سچائی حضرت علیؓ کے کان میں رازداری سے منکشف فرما دی تھی، دشمنوں نے ایسا پہرہ بٹھائے رکھا کہ حضرات ائمہ کرام یہ علم دوسروں تک نہ پہنچا سکیں اور نہ ہی ائمہ کرام کو ایسا کوئی کامل شخص مل سکا جسے یہ علم سپرد کر دیا جاتا۔ اور علوم کے یہ سارے خزانے یہ لوگ قبروں میں ساتھ لے گئے۔

خمینی صاحب کو یہ بات کھٹک رہی ہے کہ قرآن تو امت کے ہاتھوں موجود ہے کہیں امت کی " گستاخ نگاہیں " اسکی طرف نہ اٹھ جائیں۔ تو ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن کا حقیقی علم اوجھل اور مستور رہا ہے۔ چودہ سو سال سے علماء مفسرین جو ذخیرے چھوڑ گئے ہیں وہ تو خمینی صاحب کے الفاظ میں قرآن کے مروجہ مطالب و معانی ہیں جو قرآن کے مرادات نہیں ہیں ——— اسلام کی ساری تاریخ اور تعلیمات پر خط تنسیخ پھیر دینے کے بعد خمینی صاحب اس ساری غزل کا مقطع سناتے ہوئے کہتے ہیں :

" آج جب قادر مطلق نے اس کھوئی ہوئی چیز عادلانہ نظام پر مبنی الٰہی حکومت قائم کرنے کی یہ

کامیابی ایرانی عوام کو ہی عطا فرما دی ہے تو وہ (دشمنانِ اسلام) اس حکومتِ الٰہیہ کے خلاف کیا کچھ نہیں کر رہے؟

امام خمینی کے ان واضح ارشادات کا خلاصہ یہی ہے کہ حضور معہ تمام خلفاء ائمہ کے اسلامی نظامِ حکومت کے قیام میں ناکام رہے۔ قرآن کا حقیقی علم اب تک مستور ہے اور اب جبکہ پہلی بار ان کے ہاتھوں سے ایران میں اللہ تعالیٰ اپنی خلافت قائم کر رہا ہے۔ تو سارے عالمِ اسلام نے کافروں کے ساتھ مل کر اس حکومت کو ناکام بنانے کا تہیہ کر رکھا ہے ـــــ ہم تو خمینی صاحب کے شکر گزار ہیں کہ وہ اپنے سیاہ لباس میں لپٹی ہوئی ظلمت و جہالت کی سیاہیوں کو کچھ عرصہ اور چھپا نہ رکھ سکے۔ وہ اتنی "سیاہ تاریخ رکھنے والے اسلام" کو پہلی بار زندہ کر رہے ہیں کہ جس پر نہ کبھی عمل ہو سکا نہ اس کا کسی کو علم حاصل ہوا جو کام حضورِ اقدسؐ اور ان کے ساتھی نہ کر سکے اب ان کے ہاتھوں انجام پذیر ہوگا۔ وہ جس "ماضی" کو اپنا "حال" بنانے کی فکر میں ہیں وہ ماضی تو سراسر "ناکامیوں" اور ظلمتوں کا دور ہے ـــــ ہم حیران ہیں کہ ایسے ملحدانہ خیالات کو ہم کسی مخبوط الحواس شیخِ فانی کی مجنونانہ بڑ قرار دیں یا تاریخ کی چودہ سو سالہ عیارانہ سازشوں کی باسی کڑھی کا اُبال سمجھ لیں۔

بہرحال اب وقت آگیا ہے کہ عالمِ اسلام کے علماء اور دانشور اُٹھ کھڑے ہوں اور اسلام کے نام پر اسلام اور عالمِ اسلام کے خلاف صدی کی اس سب سے بڑی "عجمی سازش" کو بے نقاب کریں کہ یہی دین کا تقاضا ہے اور یہی ملتِ مسلمہ کی وحدت و سالمیت اور اتحاد و یکجہتی کا مطالبہ ہے۔

★

حال ہی میں جن لوگوں نے تحریکِ انکارِ حدیث کے علمبردار منکرِ حدیث غلام احمد پرویز کو ٹیلی ویژن پر فہمِ اقبال کے نام سے "قرآنی علوم و معارف" کے علمبردار کی حیثیت سے پیش کیا وہ نہ تو اسلام کے وفادار تھے نہ نظریۂ پاکستان کے۔ (جو قرآن کے علاوہ سنّت پر مبنی ہے) ایسے لوگوں نے پاکستان ٹیلی ویژن کے ذریعہ ملک کے کروڑوں مسلمانوں کے ایمان اور عقیدہ کا مذاق اڑایا ہے۔ اور جان بوجھ کر ملتِ مسلمہ کے جذبات مجروح کئے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی ہم اس حرکت کو قابلِ احتجاج نہیں لائقِ صد ہزار لعنت سمجھتے ہوئے اس موضوع پر مزید اظہارِ خیال کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ
ندوۃ العلماء لکھنؤ

حقائق السنن
شرح ترمذی —— پر ایک نظر

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات ترمذی پر مشتمل کتاب حقائق السنن شرح جامع السنن للامام الترمذی کے دیباچہ اور مقدمہ کے لئے عالم اسلام کی برگزیدہ شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے درخواست کی گئی تھی، حضرت موصوف نے بکمال عنایت دیباچہ تحریر فرمایا جو بروقت نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے کتاب میں شامل نہ کیا جا سکا اور حال ہی میں موصول ہوا جسے کتاب کے علاوہ حقائق السنن پر تعارف و تبصرہ کے طور پر الحق میں بھی شائع کیا جا رہا ہے —— ابتدا میں مدیر الحق کے نام مولانا مدظلہ کا گرامی نامہ بھی شریک اشاعت ہے۔ (ادارہ)

محب گرامی قدر مولانا سمیع الحق صاحب زید توفیقہ'

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔ امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوگا، اور حضرت والد ماجد مدت فیوضہ صحت و عافیت کے ساتھ مشغول افادہ و افاضہ ہوں گے بارك اللہ فی حیاتھم و فیوضھم'

کچھ عرصہ ہوا آپ کا ایک خط اس فرمائش کے ساتھ آیا تھا کہ میں حضرت کے افادات "حقائق السنن" پر بطور مقدمہ اور پیش لفظ کے کچھ لکھوں، میں نے اس کا جواب دیا تھا کہ یہ بات میری حیثیت اور سطح سے بلند ہے۔ کہ " ایاز قدر خود را بشناس " اس کیلئے پاکستان یا ہندوستان کے کوئی جلیل القدر عالم جن کا حدیث شریف سے اشتغال اور اس پر وسیع نظر ہو، زیادہ موزوں ہوں گے، غالباً آپ نے میری یہ معذرت حقیقت حال پر مبنی ہونے کی بنا پر قبول کرلی۔ لیکن اس کے بعد میں نے کتاب پر نظر ڈالی اور اس کا داعیہ پیدا ہوا کہ میں اس پر اپنے تاثرات اور رائے کا اظہار کروں، یہ ایک شہادت بالحق ہوگی، چنانچہ میں نے ۶-۷ صفحے کا ایک مضمون حوالہ قرطاس کیا۔ اب بمبئی آکر اس کو ایک عزیز دوست کے حوالہ کر رہا ہوں جو دو چار دن میں کراچی ہوکر حجاز جانے والے ہیں میں نے ان کو ہدایت کی ہے کہ وہ کراچی سے اس کو بذریعہ رجسٹری پوسٹ کردیں، یہاں سے

ڈاک سے بھیجنے میں بڑی طوالت ہوگی اور معلوم نہیں رقابہ کے کن مرحلوں سے گذرنا پڑے مقدمہ کے بارے میں میری اب بھی وہی رائے ہے لیکن آپ کو اس مضمون کے بارہ اختیار ہے کہ آپ اس سے جو کام لینا چاہیں لے سکتے ہیں، اگر مقدمہ کسی دوسرے فاضل کے قلم سے ہو گیا ہو تو اس کو آپ "الحق" میں بطور مضمون کے شائع کر سکتے ہیں، اس کی رسید سے ضرور مطلع کریں۔

معلوم نہیں "تاریخ دعوت وعزیمت" کا پانچواں حصہ جو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ سے مخصوص ہے۔ کراچی میں چھپا، اور آپ تک پہنچا یا نہیں، اگر اتنی تاخیر کا اندیشہ ہوتا تو میں براہ راست بھیج دیتا۔ حضرت وال صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام، درخواست دعا اور اس خدمت حدیث پر دلی مبارک باد اور اظہار تشکر۔ تقبلہ اللہ تقبلاً حسناً۔ خط کا جواب لکھنؤ کے پتہ پر عنایت فرمائیں۔ والسلام۔

دعاگو و طالب دعا

ابوالحسن علی

۱۳ اکتوبر ۱۹۸۴ء

پوسٹ بکس نمبر ۹۳ ندوۃ العلماء
لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ!

کتب صحاح کے درمیان جامع ترمذی کا خاص مقام ہے جسے ہر دور میں امت میں بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اور اسکی بلندیٔ مرتبہ پر امت کا اجماع ہے، انہوں نے اپنے دونوں اساتذہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ اور امام مسلم بن حجاج قشیری کی تحقیقات، صحیح احادیث حاصل کرنے کی کوششوں اور تمام سابقہ علمی کاوشوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور ائمہ ومصنفین حدیث کے درمیان سے اپنا راستہ نکالا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں تصنیفی ملکہ، قوت اجتہاد، فنی قدرت وقوت بطور خاص عطا کی ہے۔ اس کے ساتھ ان کی عقل وعلم میں پختہ عمر کے تقاضہ سے مزید پختگی اور گہرائی پیدا ہوئی جس میں ان کی طویل فنی تمرین، ائمہ فن کی طویل صحبت اور ان سے محبت ووفاداری، ان کے فضل وتقدم کا اعتراف، ان کے زہد وتواضع، بے غرضی، دعا میں اشتغال اور اللہ کے لئے تضرع وابتہال کو بھی خاص دخل ہے ــــ صحیحین کے قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مؤلفین

صحت و باریک بینی اور فنی قدرت کی انتہا پہ ہیں اور سنن ابی داؤد میں اسے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے احادیث احکام کو بہترین نظم و ترتیب عطا کی ہے۔ اور انہوں نے بعد والوں کے لئے کچھ چھوڑا نہیں ہے، اس لئے احادیث صحیحہ پہ مشتمل کوئی کتاب ترتیب دینا تحصیل حاصل اور بے فائدہ کام ہے، مگر امام ابوعیسیٰ ترمذی نے ساٹھ سال سے زائد عمر میں (جو ذہنی پختگی کی عمر ہوتی ہے) اپنی کتاب تالیف کی جس میں ان کی تصنیفی صلاحیت واضح طور پہ سامنے آئی اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ اس کتاب نے صدر اسلام کے عظیم حدیثی ذخیرے میں ایک قیمتی اور نیا اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں اپنے دونوں استادوں امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کے طریقہ پہ فقہ و حدیث کو بڑی خوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ اور دونوں کے محاسن اور خصوصیات اپنائی ہیں، انہوں نے متعدد روایات کو امام مسلم کی طرح ایک جگہ جمع کر دیا اور امام بخاریؒ کے طریقہ پہ اسنادی فوائد کو کتاب میں متعدد جگہوں پہ رکھا اور ایک، ایک حدیث پہ کلام کیا اور ایسی مخصوص علمی اصطلاحات اپنائیں جن میں وہ منفرد ہیں اور وہ کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتیں، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس موضوع پہ کام کیا جسے آج "تقابلی فقہ" (الفقہ المقارن) کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے فقہی و اجتہادی دبستانوں کی جسطرح حفاظت کی اس کا امت کو اعتراف کرنا چاہیئے، وہ نہ ہوتے تو بہت سے ائمہ کے نتائج اجتہاد نظر کے سامنے نہ آتے، اپنے جامع کی اس خصوصیت کے سبب یہ کتاب حدیث و سنت کی کتابوں کے درمیان ممتاز و منفرد ہوگئی ہے۔ اور سب سے قدیم و قابل اعتماد مرجع بن گئی ہے۔ خاص طور پہ غیر مروّج مذاہب فقہ جیسے امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کے مذاہب کے لئے۔ یہ بھی ان کے حسنات میں ہے کہ انہوں نے بعد میں آنے والوں کے لئے امام شافعیؒ کی قدیم فقہ بھی محفوظ کر دی ہے۔

اس طرح جامع ترمذی ان احادیث حسنہ کے لئے مرجع اساسی بن گئی ہے جو ایک قیمتی حدیثی ذخیرہ ہیں اور جن سے استغنا ممکن نہیں، متقدم محدثین کبار میں سے ہم کسی کو اس طرف امام ترمذیؒ کی طرح متوجہ نہیں پاتے ہیں، اسی لئے امام ابوعمر عثمان بن صلاح اپنی کتاب "علوم الحدیث" میں کہتے ہیں کہ "امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ کی کتاب حدیث حسن کی معرفت کے لئے اصل ہے، وہی ہیں جنہوں نے اس کا نام روشن کیا اور اپنی جامع میں اس کا بکثرت ذکر کیا ہے"[1]

پھر انہوں نے علم رجال اور علم جرح و تعدیل پہ خصوصی توجہ کی اور فن اسناد کے بعض منفرد رجحانات کے لئے ممتاز ہوئے جسے فن حدیث کا کوئی ناقد بصیر ہی جان سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کتاب حدیث کے

---

[1] علوم الحدیث ص ۱۴ - ۱۵

فنون کثیرہ پر مشتمل ہے۔ اسی لئے حافظ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ :

"یہ سب سے اچھی کتاب ہے، جس میں فوائد کی کثرت، اچھی ترتیب اور تکرار بہت کم ہے، اور اس میں اُن مذاہب کا بھی ذکر ہے، جو اور کتابوں میں نہیں، وجوہ استدلال احادیث کی نوعیت، صحت وسقم اور غرابت کا بیان ہے۔ اور جرح وتعدیل سے کام لیا گیا ہے۔"

امام ابو اسماعیل عبداللہ محمد بن الانصاری کہتے ہیں :

"ان کی کتاب میرے نزدیک بخاری ومسلم کی کتابوں سے زیادہ مفید ہے کہ اس کے فوائد تک ہر شخص کی رسائی ہو سکتی ہے۔"

بڑی مسرت وطمانیت کی بات ہے کہ استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا عبدالحق بانی ومہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان دام فیضھم کی درس ترمذی کی تقریریں اور امالی وافادات کی جلد اوّل "حقائق السنن" منظر عام پر آگئی ہے، حضرت شیخ الحدیث کے فرزند گرامی مولانا سمیع الحق مدیر الحق واستاد حدیث دارالعلوم حقانیہ، اور مولانا عبدالقیوم حقانی نہ صرف طلبائے علم حدیث بلکہ حدیث کے کہنہ مشق، وسیع النظر و فاضل اساتذہ کے بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے تعاون ونگرانی سے یہ علمی صحیفہ جو ایک ماہر فن اور دقیق النظر استاذ حدیث کے وسیع مطالعہ، طویل تجربہ اور دیدہ ریزی اور جگر کاوی کا نتیجہ ہے۔ اہل علم کے سامنے آیا، حضرت شیخ الحدیث نصف صدی سے تدریس حدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ممتاز شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔ ان میں دقیق مباحث کو شستہ انداز اور سلجھے ہوئے پیرایہ میں بیان کرنے کی خداداد صلاحیت ہے۔ انہوں نے چالیس سال تک دارالعلوم حقانیہ میں ترمذی کا درس دیا، یہ تقریریں ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ کی گئیں، مولانا نے پورے مسودہ پر نظر ڈالی اور ضروری ترمیم واصلاح فرمائی، تشنہ مقامات پر مزید بحث کی اور مرتب شدہ "امالی" (درس کی وہ تقریریں وافادات جو قلمبند کر لئے گئے تھے) سے بھی کام لیا گیا۔

مولانا چونکہ حدیث کے عالم واستاد ہونے کے ساتھ (اپنے شیخ واستاد کی تبعیت میں) تزکیہ وسلوک کے بھی رمز آشنا ہیں اس لئے کتاب میں جا بجا لطائف تصوف اور علمی وجدانی نکات بکھرے ہوئے نظر آئیں گے، جا بجا دلچسپ، سبق آموز واقعات وحکایات درس پڑھنے والے کے لئے دل آویزی کا ذریعہ اور موعظت وتربیت کا سامان ہیں، فضلائے قدیم کی طرح اپنے اساتذہ سے عقیدت وشغف خاص طور سے حضرت مدنی رحمہ اللہ سے غیر معمولی عقیدت کتاب میں جھلکتی ہے۔ فنی وتحقیقی حیثیت سے بھی کئی

بحثیں مختصر ہونے کے باوجود بصیرت افروز اور اصولی قدر و قیمت کی حامل ہیں، مثلاً تعریفِ حدیث میں قید من حیث انہ رسول کی ضرورت و افادیت، مورخ و محدث کے فرق کی تشریح، متقدمین و متاخرین کی تعریف حدیث کا فرق ہے[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض سہ گانہ (تلاوت کتاب، تعلیم حکمت و تزکیہ) کی تشریح[2] بعثت فی الامیین کی حکمت اور تمدنی اثرات کی اہمیت، مقام عبدیت اور اسکی عظمت و جلالت کا بیان[3]

مولانا چونکہ ایک بیدار دماغ، حساس و دردمند دل بھی رکھتے ہیں، عہدِ حاضر کے بارے ہوئے حالات اور جدید تعلیم یافتہ نسل کے ذہن سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ اور آپ کا مطالعہ درسی اور فنی کتابوں میں محدود نہیں ہے، آپ نئی تحقیقات اور تازہ رجحانات سے بھی بقدرِ ضرورت متعارف ہیں، اس لئے کتاب میں جابجا ایسے مضامین ملتے ہیں جن سے نئے شبہات و سوالات سے واقفیت اور شرح حدیث و تقریر درس میں ان سے بقدرِ ضرورت تعرض کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً سائنسی ایجادات و فہم حقائق اور مسئلہ بقاءِ اعراض پر عالمانہ و متکلمانہ بحث ہے[4] وزن الو پر اعتراض اور اس کا صحیح حل تعدد ازدواج پر دل نشین انداز میں بحث[5]، کتاب اگرچہ حدیث و فقہ کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن مولانا کی تاریخ سے واقفیت کا بھی روشن ثبوت ملتا ہے، جس کے متعلق سمجھ لیا گیا ہے۔ کہ وہ علماء و اساتذہ دینیات کے دائرہ سے باہر ہے، اس سب کے ساتھ کتاب کے مسلک اہلِ سنت کے اس اعتدال و توازن کا بھی اظہار ہوتا ہے جو ان کے اساتذہ اور اسلاف کا شیوہ رہا ہے اور مکتب و خاندان ولی اللہی کا شعار، مثلاً آپ نے مروان بن الحکم اور یزید پر ناقدانہ کلام کیا ہے، اور ان کے بارے میں ان کے جلیل القدر معاصرین اور ائمہ حدیث کا جو نقطۂ نظر رہا ہے اسکو بلا تکلف نقل فرما دیا ہے۔

خالص درسی و فنی حیثیت سے بھی کئی ایسی بحثیں ملتی ہیں، جو فن حدیث میں رسوخ اور عمق کا نمونہ ہے۔ مثلاً جامع ترمذی کی خصوصیات جس کے گیارہ وجوہ بیان کئے گئے ہیں[6]

بزدوی پر تنقید اور حضرت ابوہریرہؓ کے تفقہ کا اثبات اور بعض کثیر الانواع والاسماء الفاظ کی اچھی بحث مذہب حنفی کا اقرب الی الحدیث ہونا وغیرہ وغیرہ،

غالباً یہ پہلی کتاب ہے جس میں اردو میں "جامع ترمذی" کی شرح و بیان کی کوشش کی گئی ہے، اور ان دشوار اور نازک مضامین کو جو ابھی تک عربی کی شروح حدیث اور ماہر الفن اساتذہ کے حلقۂ درس سے

---

[1] ملاحظہ ہو صہ ۳۹، ۴۰ [2] صہ ۴۳-۴۶ [3] صہ ۱۲۱، ۲۲ [4] صہ ۱۲۶ [5] ۱۶۵، ۱۸۵ نیز حاشیہ ۱۸۵ [6] صہ ۸۲

مخصوص تھے سلیس وشستہ اردو زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ اس بلند پایہ کتاب پر مقدمہ لکھنے کے لئے ایک ایسی شخصیت موزوں تھی، جس کی علم حدیث اور متون وشروح حدیث پر وسیع وعمیق نظر ہو، اور جس کا فن حدیث سے طویل ومسلسل اشتغال رہا ہو، خدا کے فضل سے ابھی بر صغیر ہند وپاکستان میں متعدد ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو اس کام کی تکمیل کے لئے ہر طرح موزوں ومناسب ہیں، لیکن محب گرامی قدر مولانا سمیع الحق صاحب کی نظر انتخاب اس اہم کام کے لئے اس بے بضاعت پر پڑی، جس کے حدیث سے اشتغال اور اس کے درس کی مشغولیت کو عرصہ ہو گیا، شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ ساری بے بضاعتی وکم مائیگی کے باوجود مقدمہ نگار کو بھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ سے صحیح بخاری وجامع ترمذی میں تلمذ واستفادہ کی سعادت وشرف حاصل ہوا ہے اور ع

بلبل ہمی کہ قافیۂ گل شود بس است

راقم سطور نے ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۳ء) میں دار العلوم دیوبند میں حضرت مدنیؒ کے درس بخاری اور درس ترمذی میں شرکت کی، اگر میرے لئے اس قابل قدر کتاب پر کچھ تحریر کرنے کا جواز ہے تو یہ نسبت گرامی نیز یہ کہ صحاح اربعہ کا درس محدث عصر مولانا حیدر حسن خان صاحب ٹونکیؒ تلمیذ خاص علامہ شیخ حسین بن محسن الانصاری یمانی نزیل بھوپال سے لیا، اور کچھ عرصہ صحیح بخاری وترمذی کا درس دار العلوم ندوۃ العلماء میں اس سے متعلق رہا، اور اس نے خدا کے فضل سے دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور حرمین شریفین کے کبار علماء واساتذۂ حدیث کی زیارت وصحبت اور ان کے درس حدیث میں شرکت کی سعادت حاصل کی، اس لئے اس کا اس کتاب پر اپنے تاثرات کا اظہار کلیۃً "تحسین ناشناس" اور یکسر "دخل در معقولات" کا مرادف نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی عمر، صحت وقوت میں برکت عطا فرمائے، اور ان کے علمی ودینی فیض سے زیادہ سے زیادہ طالبین کو مستفید ہونے کا موقعہ دے، نیز مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو ترقی وقبولیت عطا فرمائے جس کے ذریعہ حدیث کی یہ قیمتی سوغات اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچی۔

ابوالحسن علی

صحبتے با اہلِ حق

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب کی مجلس میں

○ **مبرور اور مقبول حج** | ٦ راگست ١٩٨٤ء۔ ارشاد فرمایا۔ الحج المبرور لیس جزاء ہ الا الجنۃ حج مبرور کی جزا جنت ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی علامت ہے۔ فرمایا حج مقبول وہ ہے کہ حاجی مناسک حج اور مامورات کو ادا کرے۔ اور منہیات سے خود کو منع رکھے۔ حج پر جانے والے ایک صاحب نے وہاں کے مشاغل سے متعلق دریافت کیا۔ تو ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو آپ کی جوانی ہے جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جس قدر زیادہ طواف کر سکو اتنا زیادہ بہتر اور کثیر اجر و ثواب کا باعث ہے۔ طواف ایام حج کی بہت بڑی نیکی ہے۔ ٧٠ مرتبہ طواف کرنے والے کے لئے تمام گناہ معاف ہو جانے کی بشارت آئی ہے۔

○ **حج محبوب سے وارفتگی کی علامت ہے** | ٦ راگست ١٩٨٤ء۔ ارشاد فرمایا۔ ایام حج میں مخصوص عبادات اور حج کے مناسک سب عشق و محبت اور دیوانگی و سرمستی کے مظاہر ہیں احرام باندھنا، سر سے ننگا رہنا، طواف کرنا۔ یہ سب محبوب سے محب کی وارفتگی کے علامات ہیں۔ اگر یہاں کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے آگے سے گزرنا گناہ ہے۔ مگر حجاج تو عند اللہ عشق میں مجنون اور بعض معاملات میں ان کی طرح مرفوع القلم ہوتے ہیں۔ مطاف میں اگر کوئی شخص نمازی کے سامنے گزر جائے تو معاف ہے کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں۔

○ **دل کا رابطہ اور انابت الی اللہ** | ٦ راگست ١٩٨٤ء۔ ارشاد فرمایا۔ اصل دار و مدار ضابطہ نہیں رابطہ ہے جتنا بھی دل کی کیفیت میں للٰہیت غالب رہے گی اتنا ہی حج کی سعادتیں زیادہ لوٹ سکو گے۔ ویسے تو احادیث میں مختلف مناسک حج کے لئے مختلف دعائیں ماثور ہیں۔ لیکن اگر ایک شخص وہ دعائیں پڑھنا نہیں جانتا اور اس کا دل انابت الی اللہ تواضع اور عجز و انکسار کی کیفیات سے لبریز ہے تو بس اس کو گوہر مقصود مل گیا ہے۔

○ **والدین کو نظر شفقت سے دیکھنا** | ٩ راگست ١٩٨٤ء۔ خدمت والدین کا ذکر چلا تو ارشاد فرمایا۔ جو شخص والدین کو ایک بار محبت اور شفقت کی نظر سے دیکھتا ہے اسے ایک حج مقبول کا ثواب ملتا ہے

جیسا کہ حدیث کا مضمون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ والدین کو ایک بار شفقت کی نگاہ سے دیکھنا گویا حج مقبول کی سعادت اور اجر و ثواب حاصل کر لینا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! اگر ایک شخص دن میں سو مرتبہ والدین کو محبت کی نظر سے دیکھے تو کیا اسے سو حجوں کا ثواب ملے گا۔ تو آپؐ نے فرمایا اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ اللہ کی رحمت کے خزانے انسانی ذہن اور تصور کی وسعت سے بہت سے زیادہ وسیع ہیں۔

○ **حج مبرور کی علامت** ۶ راگست ۱۹۸۴ء۔ ارشاد فرمایا۔ کہ حج مبرور کی علامت حج کے بعد کی زندگی میں دینی اور ذہنی انقلاب ہے۔ اگر حج کے بعد کی زندگی پہلی زندگی سے نیکی عبادت۔ توجہ الی اللہ و انابت و خشیت اور ذکر و فکر کے لحاظ سے بڑھ گئی ہے۔ تو گویا حج مبرور کی سعادت حاصل ہوگئی ہے۔ اور اگر حج کرنے کے بعد کی زندگی، پہلی زندگی سے نیکی اور خیر و فلاح کے کاموں میں کمزور اور پیچھے ہے تو یہ خطرناک بات ہے۔ اللہ پاک سب کو حج مبرور عطا فرمائے۔ اور اپنی ناراضگی کے کاموں سے محفوظ رکھے۔

○ **در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست** ۶ راگست ۱۹۸۴۔ ایک صاحب نے عرض کی کہ ایام حج میں یہ عزم غالب ہے کہ ایک بار حضرت تھانوی کے ترجمہ تفسیر کا کامل مطالعہ کر لوں۔

ارشاد فرمایا۔ یہ تو نورٌ علی نور ہے۔ اس سے علمی و روحانی کیفیات، باطنی توجہات میں انابت پیدا ہوگی اس سے اور زیادہ بہتر کام اور کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن سے تعلق گویا قرآن بھیجنے والے سے تعلق ہے آپ ماشاء اللہ نوجوان ہیں تعلیم یافتہ ہیں۔ (مشہور ڈاکٹر جناب) اصل انابت الی اللہ کا وقت نوجوانی ہے ع

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست

○ **استغفار کی برکات** ۷ راگست ۱۹۸۴ء۔ ایک صاحب نے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ تو ارشاد فرمایا لکل فن رجال یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ اللہ پاک اجر عظیم عطا فرماوے۔ میں آنے والے احباب کو عام طور پہ استغفار کی تلقین کرتا ہوں۔ حضرت حسن بصریؒ بھی کثرت استغفار پہ زور دیا کرتے تھے ان کے پاس ایک شخص حاضر ہوا۔ عرض کیا حضرت میری اولاد نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا کثرت سے استغفار پڑھا کرو۔ ایک دوسرے صاحب آئے کہ حضرت بارش نہیں ہو رہی۔ فرمایا اہل شہر کثرت استغفار کریں۔ ایک اور صاحب آئے اور رزق حلال کی درخواست کرائی۔ فرمایا، تم بھی استغفار پڑھا کرو۔

حاضرین میں ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت جو بھی آیا آپ نے استغفار پڑھنے کی تلقین و تاکید فرمائی۔ حالاں کہ سب کے مسائل اور مقاصد مختلف تھے۔ تو حضرت حسن بصری نے جواب دیا۔ بھائی! یہ کوئی میں نے اپنی طرف سے نہیں بتایا بلکہ خود اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں ان امور میں کثرت استغفار کی تاکید کی ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں۔

فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا ہ یرسل السماء علیکم مدرارا ہ ویمددکم باموالٍ وّ بنین ویجعل لکم جنّٰت ویجعل لکم انھٰرا ہ

اور اس سمجھانے میں ان سے یہ کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا۔ اور تمہاری مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

○ دعا برائے حفظ و مطالعہ | ایک صاحب نے عرض کیا جب مطالعہ کرتا ہوں تو کچھ یاد نہیں رہتا مطالعہ کرنے سے پہلے کوئی ایسا وظیفہ اور دعا ارشاد فرمائیے جس کو معمول بنالوں۔ اور خدا تعالیٰ مطالعہ آسان کردے۔ ارشاد فرمایا۔

۱۔ مطالعہ سے قبل خدا کے حضور عاجزی اور انکساری سے زیادہ علم اور عمل صالح کی دعا کرلینی چاہیئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر چیز کا سوال خدا سے کرو۔ حتیٰ کہ جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدا سے مانگو۔ اس قدر وسعت کے باوجود قرآن حکیم میں جس دعا کا حکم دیا گیا ہے وہ صرف علم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا۔

قل رب زدنی علما۔ یہ شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے کہ بڑی چیزوں کا سوال تو خدا سے کرو۔ مگر چھوٹی چیزوں کا سوال مناسب نہیں۔ تو جیسا کہ میں نے عرض کیا بمقتضائے حدیث معمولی سے معمولی چیز تک خدا سے مانگنے کا حکم ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے از دیادِ علم کی دعا سکھائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علم، دنیا و مافیہا تمام نعمتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ تو مطالعہ سے قبل کم سے کم تین بار یہ دعا ضرور پڑھ لینی چاہیئے یہ تو اللہ پاک نے خود سکھائی ہے۔

۲۔ دوسری دعا بھی وہی ہے جو قرآن مجید میں آتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ اور فرعون کے سامنے ہماری توحید بیان کرو۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں التجا کی:۔

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔ اس دعا کے پڑھنے سے شرح صدر ہوتا ہے اور اللہ پاک مشکلات اور اہم مباحث و مسائل کو آسان فرما دیتے ہیں۔

۴۔ تیسری دعا جو تخلیق آدم کے وقت اللہ پاک کی بارگاہ میں فرشتوں نے عرض کی تھی۔ سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ان میں ہر دعا تین تین مرتبہ پڑھ کر مطالعہ شروع کیا جائے۔ تو یقیناً خیر و برکت سے معمور ہو گا۔

○ طلبہ دورۂ حدیث کو نصیحت | ۱۸ راگست۔ عصر کا وقت تھا۔ حضرت شیخ الحدیث نماز سے فارغ ہوتے تو طلبہ دارالعلوم کے اساتذہ اور اضیاف نے حضرت کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مصافحے اور دعائیں شروع ہوئیں۔ طلبہ بھی اپنے مسائل پیش کر رہے تھے تین طالب علم حاضر ہوئے۔ عرض کیا ہم دورۂ حدیث میں داخلہ کی غرض سے آئے ہیں بیس شوال کو حاضر ہوئے تھے مگر معلوم ہوا کہ یہاں دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ بند ہو چکا ہے۔ تو ایک دوسرے مدرسہ .... میں چلے گئے۔ وہاں داخلہ لیا۔ مگر وہاں قلبی سکون اور اطمینان حاصل نہیں۔ اب یہی فیصلہ کر لیا ہے کہ دارالعلوم ہی میں داخلہ لینا ہے امید ہے کہ آپ ہماری اس خواہش کو پورا فرمائیں گے۔ اور داخلہ عنایت فرمائیں گے۔

ارشاد فرمایا۔ ایک رائے قائم کر لینے کے بعد اس پر پختہ رہنا ضروری ہے۔ جب آپ نے ...... مدرسہ میں دورۂ حدیث کے لئے داخلہ لے لیا ہے تو اب استقامت اور بلند ہمتی سے وہاں سال مکمل کر لیں اللہ پاک برکت عطا فرما دے۔

بعض طلبہ کو مدارس بدلنے اور جگہیں بدلنے کی بیماری ہوتی ہے۔ میرے نزدیک جگہ جگہ پھرنا، اساتذہ کا معیار معلوم کرنا، بعض کی مدح اور بعض کی مذمت کرنا، اس سے علم کی برکتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور بعض اوقات ایسی صورتیں حد درجہ بدترین نتائج سامنے لاتی ہیں اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ فی الحال دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ نہ لیں۔ جہاں شروع کیا ہے وہاں مکمل کر لیں پھر اگر مزید ضرورت محسوس کریں تو اگلے سال آپ کو دارالعلوم میں ضرور داخلہ مل جائے گا انشاء اللہ۔

○ صلحاء کے برکات | ۱۸ راگست۔ پچھلی کسی مجلس میں حضرت کی طالب العلمی کے ضمن میں دہلی کا بھی ذکر آیا تھا میں نے اس کی تحقیق کی تو فرمایا۔ مجھے اکوڑہ سے ہندوستان کے لئے حصول تعلیم کی غرض سے جب سفر درپیش تو اولاً مجھے دہلی ہی جانا پڑا۔ اور میرا قیام بھی اس مسجد میں تھا جہاں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے ۴۰ سال معتکف رہ کر قرآن کا ترجمہ و تفسیر مکمل کی۔ یہ مسجد غالباً چاندنی چوک دہلی کے علاقہ میں ہے اوپر دالان تھا جس میں شاہ صاحب بیٹھا کرتے تھے اور نیچے بازار تھا ــــ جہاں صالحین نے وقت گذارا ہو وہاں کی زمین اور ہوا فضا میں برکات کے اثرات ہوتے ہیں۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

شاہ ولی اللہ کا قرآن مجید کی تعلیم اور تفہیم میں حصّہ

(ایک مختصر و محدود دائرہ)

برصغیر پاک وہند کے افق پر آفتابِ اسلام کی شعاعیں اگرچہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے ہی پڑنا شروع ہوگئی تھیں لیکن اس کے کناروں سے بلند ہو کر ہمہ گیر ہونے اور نصف النہار کا سا اجالا پھیلانے تک کوئی دو تین صدیاں بیت گئیں۔ مگر کفر کی ظلمتوں اور شرک کے اندھیروں میں نامعلوم مدت تک ڈوبی رہنے کے بعد پھر تو یہ زمین ایمان وعرفان اور علم واحسان کے انوار سے اس طرح جگمگائی اور صدیوں تک خزاں رسیدہ رہنے کے بعد اس میں اسلام کی ایسی بہار آئی کہ اس کی برتری کا اعتراف بلکہ اس پر رشک کرنے کے لئے وہ علاقے بھی مجبور ہوئے جو قرن اول ہی میں قافلہ ایمان وشریعت اور رہ رویانِ راہ طریقت کا گرمجوشی سے استقبال کر چکے اور اپنے سینوں پر ہی نہیں بلکہ دلوں میں بھی جگہ دے چکے تھے۔

جس طرح فصل بہار کے موقعہ پر پھلوں اور پھولوں کا شمار ناممکن ہے۔ ٹھیک اسی طرح علم وعرفان کے ان مہکتے پھولوں اور چمکتے تاروں کی گنتی بھی مشکل ہے جو چمن ہند میں کھلے اور چمکے۔ پھر جن کی مہک اور چمک صرف ہندوستان ہی میں پھیل کر نہیں رہ گئی۔ بلکہ سارا عالم، کیا عرب کیا عجم۔ ان کی عطر بیزیوں اور ضیا پاشیوں سے معطر و منور ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ ان علمائے اعلام اور فضلائے کرام جن کے علمی کارناموں بلکہ شاہکاروں کا شہرہ برصغیر سے نکل کر چار دانگ عالم میں پہنچا۔ ان کی بھی فہرست اتنی طویل ہے کہ "مختصر" کے لئے بھی دفتر درکار ہے جس کا تحمل کوئی مقالہ تو کیا ایک دو ضخیم جلدوں والی کتاب بھی نہیں کر سکے گی۔ (اندازہ کرنے کے لئے "نزہۃ الخواطر" یا معجم المصنفین کی ضخیم جلدوں پر ایک نظر ڈالنے کا مشورہ دینا شاید بے محل نہ ہوگا) اس طویل فہرست میں شیخ صفی الدین بدایونی۔ عمر بن اسحاق المعروف بسراج ہندی (صاحب التوشیح۔ شرح ہدایہ) شیخ علی تقی (صاحب کنز العمال) ملا طاہر پٹنی (صاحب مجمع البحار) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (صاحب اللمعات واشعۃ اللمعات)

علامہ مرتضیٰ بلگرامی (صاحب تاج العروس شرح القاموس) اور متعدد سندھی محققین وشارحین حدیث کے علاوہ ماضی قریب کے علماء اور فضلاء میں محقق بے نظیر مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی۔ مولانا رحمت کیرانوی۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری۔ مولانا عبدالرحمن مبارک پوری علامہ انورشاہ کشمیری۔ علامہ شبیر احمد عثمانی۔ حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی اور بیہقی وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (رحمھم اللہ ونفعنا بعلومھم) یہ وہ چند اسمائے گرامی ہیں جن کے ناموں ہی سے نہیں کاموں سے بھی اس علمی مجلس کے شرکاء کم وبیش واقف ہوں گے۔

مگر ان سب میں ایک نام ایسا نمایاں اور اتنا روشن ہے کہ اسے "کالشمس بین النجوم" قرار دینا مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت کی ناکافی ترجمانی سمجھا جائے تو مستبعد نہیں جن کے بارے میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فرمایا تھا کہ:-

"سرزمین ہند میں اگر صرف وہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لئے یہی فخر کافی تھا۔ (الفرقان نمبر صفحہ ۳) میری مراد حکیم الاسلام مسند الہند، شارح دین فطرت مولانا قطب الدین احمد بشاہ ولی اللہ دہلوی سے ہے جن کے ذکر سے آج کی محفل ہی نہیں اپنی عاقبت بھی سنوارنا مقصود ہے۔

ظاہر ہے کہ جن کی تربیت اور جد وجہد کے نتیجہ میں ان کے فرزند اکبر اور خلف الرشید شاہ عبدالعزیز نے جب سراج الہند کا لقب پایا توان کمالات کے منبع وسرچشمہ کے تذکرہ کے لئے ایک دو کتابیں بھی اگر ناکافی ہی معلوم ہوتی ہیں تو محل تعجب نہیں۔ پھر ایک مختصر سا مقالہ (جسے عجلت میں لکھے جانے کی وجہ سے "عجالہ" کہنا مناسب ہوگا) میں اس عبقری شخصیت کے تمام اوصاف کا ذکر کہاں اور کس طرح سما سکتا ہے؟ اس میں زیادہ سے زیادہ بس کسی ایک ہی گوشہ پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ اس لئے یہاں منتظمین اجلاس کے مقرر کئے ہوئے موضوع کی رعایت سے۔ شاہ صاحب کے اہم ترین کارنامہ، قرآن کریم کی تعلیم وتفہیم عام پر مختصر وقت میں مختصر گفتگو کی جائے گی (وبیدہ ازمۃ التوفیق)

اگرچہ عام طور پر شاہ صاحب پر لکھی جانے والی کتابوں، مقالوں اور سوانحی خاکوں میں قرآن کریم سے متعلق موضوع کے تحریری سرمایہ کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ صرف چار یا پانچ مستقل چیزوں کا ذکر ملتا ہے۔ یعنی "فتح الرحمان" کے نام سے فارسی ترجمہ۔ الفوزالکبیر (اصول تفسیر پر مختصر ترین مگر جامع اور مفید ترین رسالہ) فتح الخبیر (جو گویا الفوزالکبیر کا تکملہ۔ بلکہ مصنف کی تصریح کے مطابق اسی کا ایک باب پنجم ہے۔) اور ترجمہ قرآن سے متعلق ضروری ہدایات واصول پر مشتمل۔ "المقدمۃ فی قوانین الترجمہ" کے نام سے ایک مختصر رسالہ جس کا ترجمہ بھی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً چالیس سال قبل کیا تھا اور ماہنامہ "برہان" دہلی میں ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا تھا۔

اس کے علاوہ ایک اور مختصر سا مقدمہ جو فتح الرحمٰن کے شروع میں اس کے ساتھ مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا تھا[1] لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کا قرآن فہمی عام کرنے والا۔ اور اس کی حکیمانہ تشریح پر مشتمل تحریری ذخیرہ بھی کہیں اس سے زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہے۔ جتنا عام طور پر تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان کی اہم تصانیف میں سے شاید کوئی بھی تصنیف قرآن حکیم کی حکیمانہ تشریح سے خالی نہیں ہے۔

یوں تو قرآن مجید کی خدمت اور اس کی تفسیر و تبیین کا شرف شاہ صاحب سے ماقبل اور مابعد بہت سے ہندوستانی علماء کو حاصل رہا ہے مگر اسے عام فہم بنانے میں اولیت بلکہ امامت کا امتیاز تنہا شاہ صاحب ہی کو حاصل ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شاہ صاحب سے قبل ترجمۂ قرآن در زبان فارسی ہو چکا تھا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے تو بھی جہاں تک قبول عام حاصل ہونے کا تعلق ہے اس میں بلاشبہ ان کا کوئی شریک و سہیم ان سے پہلے نہیں ہوا ہے۔ شاہ صاحب نے فتح الرحمٰن میں مجرد فارسی ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جہاں ضرورت سمجھی مختصر تفسیری نوٹ کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس طرح یہ ترجمہ قرآن فہمی کے لئے بالکل کافی ہو گیا۔

" حیات ولی " کے مصنف مولانا حافظ محمد رحیم بخش صاحب مرحوم نے اس کے بارے میں لکھا ہے۔ اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ اب تک قرآن مجید کے مطالب کا سمجھنا صرف عربی پر منحصر تھا۔ عوام کا کلام الٰہی کا مفہوم سمجھنے سے محروم تھے۔ اور معنی نہ جاننے کی وجہ سے خداوندی احکام اور آسمانی قوانین سے قطعاً نابلد تھے۔ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے ترجمہ کی سخت ضرورت سمجھی اور اس کا ایسا مطلب خیز ترجمہ کیا کہ عام لوگوں کے لئے سمجھنا بہت آسان ہو گیا۔ مطالب کی توضیح کے لئے جا بجا نہایت مختصر فوائد چڑھائے۔ بڑے بڑے معرکۃ الآرا مضامین اور نہایت اہم اور دقیق مطلب چند مختصر اور گنتی کے الفاظ میں خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ ادا کئے۔ کہ جب کسی آیت کی تفسیر عربی تفاسیر میں دیکھی تو طولانی بحث میں بھی ویسا صاف مطلب نہیں کھلتا جیسا کہ شاہ صاحب کے معدود چند لفظوں سے کھل جاتا ہے۔ (حیات ولی ص ۴۷۵ بتغییر یسیر)

پھر اسی ترجمہ کی عوامی افادیت اور صحیح وقت پر ہو جانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" اگر قرآن مجید کا ترجمہ اس زمانہ میں نہ ہوتا تو مسلمانوں کے معاشرہ میں جو اصلاح ہوئی وہ کبھی نہ ہوتی۔ اس وقت ہندوستان میں جہاں بھی شرک و بدعت سے پاک صحیح اسلامی روشنی نظر آتی ہے وہ اسی کا صدقہ ہے۔" اس ترجمہ کی ضرورت

---

[1] یہ تفصیل مظہر بقا صاحب نے اپنی کتاب اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ (شائع کردہ ادارۂ تحقیقات اسلامی اسلام آباد) کے مقدمہ میں بیان کی ہیں۔ نیز بیان الاحادیث نامی ایک عربی رسالہ قصص القرآن کی توجیہ پر اور زہراوین کے نام سے سورہ بقرہ و آل عمران کی تفسیر پر مشتمل رسالہ بھی مختصر فہرست میں شامل ہے۔

اور اس کے لئے داعیہ کیوں پیدا ہوا؟ اس کا اظہار خود مترجم علیہ الرحمہ نے "مقدمہ فتح الرحمان" میں کر دیا ہے۔
اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو براہِ راست قرآن مجید سے استفادہ اور اس کو عام فہم بنانے کے لئے ترجمہ کی ضرورت کا احساس اپنے پدر بزرگوار جو خود با کمال مدرس و مصلح تھے۔ کی تعلیم و تربیت سے ہی ہوا۔ کیوں کہ موصوف نے اپنی تعلیم و تربیت کا ذکر کرتے ہوئے جہاں کتب درسیہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ مثلاً کہا ہے کہ علم حدیث میں بخاری (کتاب الطہارت تک) مشکوٰۃ شریف اور شمائل النبی، علم تفسیر میں۔ بیضاوی اور مدارک (کچھ اجزاء) علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ۔ اصولِ فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح، منطق میں شرح شمسیہ (قطبی) اور کچھ شرح مطالع علم کلام میں شرح عقائد کامل اور کچھ شرح خیالی و شرح مواقف۔ علم معانی میں مختصر المعانی اور مطول (کچھ اجزاء) علم نحو میں کافیہ اور اس کی شرح ملا جامی اور سلوک و تصوف میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ کی باقاعدہ اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ:-

"جب میں یہ کتابیں پڑھ چکا تو میرا ذہن اس درجہ فراخ اور نظر ایسی وسیع ہو گئی کہ ہر فن کے دقیق و غامض مسئلے ادنیٰ توجہ کے ساتھ حل ہونے لگے۔ اور مشکل مقامات پانی ہو گئے" اسی کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ والد صاحب نے ایک مدرسہ قرآن قائم فرمایا تھا اور چونکہ مجھ سے بے حد محبت فرماتے تھے اس لئے قرآن مجید کا ترجمہ مجھے پڑھایا اور وہ اسرار و نکات بیان فرمائے جو قرآن حکیم کے حرف حرف میں بھرے ہوئے تھے۔ اور جن تک رسائی بغیر اس رہنمائی کے یقیناً آسان نہ تھی۔

قرآن مجید کے ترجمہ کی اہمیت و نزاکت کا اندازہ آج پوری طرح لگانا مشکل ہے کہ اس وقت یہ کتنا جرأت مندانہ اقدام اور دور رس نتائج کا حامل، نیز کس درجہ برمحل کام تھا۔ شاہ صاحب جیسی عظیم و جلیل ذات اگر یہ قدم نہ اٹھاتی تو تعجب نہیں کہ عوام تک قرآن مجید کے مفاہیم براہِ راست پہنچنے کی یہ راہ طویل مدت تک (بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ) بند ہی رہتی۔ شاہ صاحب جیسے عظیم المرتبہ شخص کو کہ جن کی ذات و جاہت کے علاوہ ان کے خاندان کی قدر و منزلت کا بھی عمومی اعتراف پایا جاتا ہے۔ جو اس خاندان کے علم و عمل درس و تدریس، افادۂ عوام اور زہد و تقویٰ کی بنا پر تھا۔ اس کے باوجود جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ترجمہ کو بدعت و تحریف قرار دینے والے نام نہاد علماء کے عقیدت مند جہلا کے ہاتھوں جو مصائب جھیلنے پڑے ان سے اس کام کی مشکلات کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن موصوف نے شدید مخالفت کے باوجود مومنانہ جرأت و فراست سے کام لے کر مصائب کی پروا کئے بغیر آئندہ دین کی خدمت کرنے والوں، بالخصوص علماء کے لئے راہ آسان کر دی جس کے احسان سے علماء کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔
چنانچہ اسی سے روشنی پا کر ان کے بلند اقبال دو صاحبزادوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے بالترتیب لفظی اور بامحاورہ اردو میں قرآن مجید کے ترجمہ کی اہم خدمت انجام دی۔ اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مؤخر الذکر کے

اردو تراجم قرآن (جسے اہل نظر، الہامی ترجمہ اور ہیبت قرآں، ور زبان لشکری کا مصداق کہتے ہیں) نے ہی اردو تراجم کے لئے ایک بنیاد فراہم کردی جس پر بعد میں اگرچہ

۱ے جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں شاہ صاحب نے اپنی زندگی کے حالات اور تعلیم و درس کی مذکورہ بالا نیز دیگر تفصیلات خود ہی اپنے فارسی رسالے "الجزء اللطیف" اور "انفاس العارفین" میں بیان فرمائی ہیں ان کا خلاصہ اور ماحصل حیات ولی اور الفرقان کے خاص نمبر سے لیا گیا ہے۔ یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بھی شاید بے محل نہ ہوگا۔ شاہ صاحب کے زیر درس جو کتابیں رہیں وہ اکثر و بیشتر وہی ہیں جو قدیم طرز کے تمام مدارس عربیہ میں آج تک پڑھائی جارہی ہیں۔

مدا۔ اردو کے معنی لشکر ہی کے ہیں۔ یہاں "لشکری زبان" سے اردو مراد لی گئی ہے۔ (مولانا روم کی مثنوی روم کے بارے میں بعض عارفین نے کہا تھا "ہست قرآں در زبان پہلوی") بڑی پرشکوہ عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ "لکن الفضل للمتقدم" کا من جانب اللہ جیسے اعزاز حاصل ہوچکا تھا اس میں بھلا کون ہمسری کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ اور اس سنت حسنہ کے اجرا والے اجر میں کون مقابلہ کرسکتا ہے۔

شاہ صاحب اور ان کے اخلاف کے بلند کارناموں (ترجموں) کی افادیت کس کس پہلو سے ظاہر ہوئی۔ اور ہورہی ہے۔ اس کا کچھ اندازہ ماضی قریب کے ایک صاحب بصیرت، وسیع النظر نکتہ رس عالم مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کے بیان سے شاید کسی درجہ میں ہوسکے۔ موصوف خاص طور سے شاہ صاحب پر ہی لکھے اپنے مقالے میں "شاہ صاحب کے کارناموں میں ترجمہ کی خدمت کو میں سب سے بڑی خدمت قرار دیتا ہوں" کے اعتراف کے ساتھ اس کے ایک اہم فائدہ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

" ان ترجموں (شاہ صاحب اور ان کے فرزندوں کے ترجموں) نے ہم مسلمانوں کے اسلام و ایمان کی حفاظت میں کام کیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنا آسان نہیں ہے۔ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ شاہ صاحب کو اس "مصیبت" کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ ہوچکا تھا جس میں مولوی اور مشائخ مبتلا ہونے والے تھے۔ میرا اشارہ اس طریق عمل کی طرف ہے جسے ارباب تشکیک و ارتداد نے بڑی چالاکی سے اختیار کیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے کسی تعلیم کا انکار کریں لیکن ڈرتے ہیں کہ عام مسلمانوں میں اس سے برہمی پیدا ہوگی تو عوام ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے۔ اس لئے "مولوی کا مذہب" ایک لفظ تراشا گیا اور ہر وہ چیز جو واقعی قرآن و حدیث کی ہوتی ہے مولوی کی طرف منسوب کرکے اس کا انکار کردیا جاتا ہے۔ اور کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے مولوی کے خیال کا انکار کیا ہے قرآن کا انکار نہیں کیا۔ حد یہ ہے کہ آج جنت، دوزخ، حور، ملائکہ، شیاطین وغیرہ ایسے حقائق کا انکار کیا جاتا ہے جن کے ذکر سے قرآن معمور ہے۔ اگر اس وقت شاہ ولی اللہ قرآن و حدیث کے ترجمہ کی بنیاد نہ ڈالتے تو اس وقت بھی قرآن عوام کی دسترس سے عربی زبان میں ہونے

کی وجہ سے بالکل باہر ہی ہوتا۔ تو بے چارہ "مولوی" اس مغالطہ کا کیا جواب دے سکتا تھا۔ لیکن بحمداللہ شاہ صاحب ایک ایسا کام کر گئے کہ جو نہیں سمجھنا چاہتے ان سے تو بحث نہیں لیکن واقعی جو حق کے طالب ہیں ان کے لئے "مولوی کا مذہب" کا پرانا جال اب بیکار ہو چکا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ فاضل گیلانی نے جس عظیم مصیبت اور اس کے ٹالنے والی جس جلیل نعمت کا ذکر اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے اسے سامنے رکھ کر آئندہ اور موجودہ دور کی اس طرح کی مصیبتوں کا بھی علاج اسی نعمت کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک جگہ ترجمہ کے فوائد بیان کرتے ہوتے مولانا موصوف نے اپنے طویل تجربے کی بنا پر یہ بھی ٹھیک لکھا ہے کہ آج کل بہت سے سند یافتہ "مولویوں" کی لاج بھی ان تراجم نے رکھ چھوڑی ہے ورنہ مولویوں میں ایسے بس گنتی کے ہوتے ہیں جو ترجمہ کا سہارا لئے بغیر پورے قرآن کا صحیح مطلب براہ راست سمجھ سکتے ہوں۔

خلاصہ یہ کہ شاہ صاحب کے اس مہتم بالشان کام کی قدر و قیمت زمانہ کے ساتھ برابر بڑھ رہی ہے اور اندازہ ہے کہ بڑھتی ہی جائے گی اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے اور قیمت بڑھانے میں زمانہ خود مدد دیتا رہے گا

قرآن مجید کے صحیح فہم کو عام کرنے کے لئے جہاں شاہ صاحب نے یہ خدمت انجام دی وہیں خواص علماء کو قرآن فہمی کے اصول سکھانے کی عظیم ضرورت بھی "الفوز الکبیر" لکھ کر پوری کی۔ یہ چند ورقی رسالہ اگرچہ قامت میں کہتر ہی نظر آتا ہے مگر اس کی "قیمت" کس قدر بہتر ہے اس کا تو اندازہ کرنا آسان نہیں۔ آئندہ سطروں میں اس کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی ایک حقیر کوشش کی گئی ہے۔

اہل علم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ علوم دینیہ میں علم تفسیر، خصوصاً اصول تفسیر ہی ایک ایسا علم ہے جو ابھی ناپختہ ہے۔ اور اس پہ کام کرنے کی ضرورت بہت کچھ باقی ہے۔ جیسا کہ مشہور مصری فقیہہ علامہ زین الدین نجیم کی شہرۂ آفاق کتاب "الاشباہ والنظائر" کے حوالہ سے فقیہہ علاؤالدین حصکفی نے نقل کیا ہے۔

العلوم ثلاثة، علم نضج وما احترق وهو علم النحو والاصول وعلم لا نضج ولا احترق وهو علم البيان والتفسير وعلم نضج واحترق وهو علم الحديث والفقه

(والدرالمختار ۴۶ ج ۱ المختار ۳۴ ج ۱)

اسلامی کتب خانوں میں ہزاروں صفحات پر مشتمل سینکڑوں بلکہ شاید ہزار سے اوپر کتب تفاسیر کی موجودگی کے باوجود سچی بات یہ ہے کہ یہ علم ابھی تک ناپختہ ہے۔ اور اس میں بہت کچھ بحث و تحقیق نیز تنقید و تنقیح کی صرف گنجائش ہی نہیں، ضرورت ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اصول فقہ و اصول حدیث پر ایک سے ایک بڑھ کر مفید و ممتاز درجنوں بلکہ سینکڑوں کتابیں پیش کرنے والی امت اصول تفسیر پر شاید ساتویں صدی سے قبل ایک بھی قابل ذکر مستقل کتاب پیش نہیں کر سکی۔

علامہ ابن تیمیہ کا چند ورقی رسالہ "المقدمۃ فی اصول التفسیر" ہی غالباً وہ پہلی کوشش ہے جو کتابی شکل میں مستقل اس موضوع پر اہل علم کے سامنے آئی ہے۔ اس کے بعد زرکشی کی البرہان اور سیوطی کی الاتقان جیسی معلومات افزا اور فی الجملہ مفید بلکہ بہت مفید کتابیں اگرچہ منظر عام پر آئیں لیکن حشو و زوائد سے پاک اور غیر ضروری طوالت سے خالی کسی ایسی کتاب کا پتہ اب بھی نہیں چلتا۔ جو سراپا مغز ہو اور "اصل" و "اُم" کی حیثیت دیے جانے کے لائق ہو۔ اس معیار پر بڑی حد تک پوری اترنے والی تصنیف واقفین راقم سطور سے غالباً اتفاق کریں گے۔ تنہا اسی ہندی امام کا "الفوز الکبیر" نامی یہ مختصر سا رسالہ ہے۔

شاہ صاحب کے اس گراں قدر رسالہ میں جہاں اور بہت سی پر مغز اور مجتہدانہ بحثیں ملتی ہیں وہاں قرآن مجید کے علوم کا پانچ قسموں کا انحصار بھی ہے۔ اس سے قبل کسی نے علوم قرآن کی تعداد مثلاً مشہور مالکی عالم قاضی ابوبکر بن العربی اور امام طبری نے تین (توحید، تذکیر، احکام یا توحید، اخبار، دیانات) بتائیں۔ کسی نے چار اور کسی نے مثلاً فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے سات اور کسی نے (مثلاً رمانی نے) تیس قرار دی۔ لیکن شاہ صاحب کی بیان کردہ تقسیم ہی سب سے زیادہ متوازن، جامع اور دقیق معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں نہ تو کسی مستقل قسم کو دوسری قسم میں داخل کیا گیا ہے اور نہ کسی ذیلی قسم کو مستقل حیثیت دی گئی ہے۔ (برخلاف کم و بیش بتانے والوں کے کہ انہوں نے یا تو کسی مستقل قسم کو کسی دوسری میں ضم کر دیا ہے یا پھر ذیلی انواع کو بھی مستقل حیثیت دیدی ہے۔)

ان علوم پنج گانہ میں سے تین تذکیر پر مشتمل ہیں۔ (تذکیر بالاء اللہ، تذکیر بایام اللہ۔ تذکیر بالموت و مابعدہ) جس سے اس نتیجہ تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن مجید نے اپنے نزول کی اصل غایت (جیسے خود "لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر" (سورہ قمر) بیان کر دیا ہے) کا اس میں کس قدر اہتمام کیا ہے۔ پھر اسی سے بعض قصوں کے مکرر ہونے کی حکمت کا ادراک بھی آسان ہو جاتا ہے اگرچہ ان تذکیری مضامین کے خاطر خواہ فہم کے لئے علم طبیعات، علم تاریخ، بلکہ فلسفۂ تاریخ اور دیگر اسی قبیل کے بعض علوم کا جاننا بھی ضروری ہے جس کی طرف حکمت ولی اللہ کے اس صدی کے ایک بہت بڑے عارف و شارح مولانا عبید اللہ شاہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فاضلانہ مقالہ میں بھی متوجہ کیا ہے۔

(الفرقان ص ۲۴۴)

اور پھر ان علوم سہ گانہ میں انبیائے سابقین کے لحاظ سے شاہ صاحب نے ایک عجیب ترتیب بیان فرمائی ہے اور اس کی نہایت عمدہ توضیح و تشریح بھی فرما دی ہے۔ پھر اسی کے ساتھ ان مضامین کے تکرار کی حکمت بھی، سعادت انسانی کے ایجابی اسباب اختیار کرنے کی نہایت مؤثر و بلیغ پیرایہ بیان میں اہمیت بتانے کے بعد اس کے لئے گویا سلبی تدابیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وبالجملۃ فیعلم علما لا یحتمل النقیض ان سعادتہ فی اکتساب ھذہ و ان

شقاوته فی اهمالها ولا بد له من سوط ینبهه البهیمیة تنبیها قویا و یزعجها ازعاجا شدیدا و اختلف مسالکه الانبیاء فی ذالک فکان عمدة ما انزل الله تعالیٰ علی ابراهیم التذکیر بآیات الله الباهرة وصفاته العلیا و نعمه الأفاقیه والنفسانیه حتی یصحح بما لامزید علیه انه حقیق ان یؤثر واذکره علی ما سواه وان یحبوه حبا شدیداً و یعبدوه باقصی مجهودهم۔

وضم الله معه لموسیٰ علیه السلام التذکیر بایام الله وهو بیان مجازاة الله تعالیٰ للمطیعین والعصاة فی الدنیا و تقلیبه النعم والنقم حتی تحتمل فی صدورهم الخوف من المعاصی ورغبة قویة فی الطاعات۔

وضم معها لنبینا صلی الله علیه وسلم الانذار والتبشیر بحوادث القبر وما بعده وبیان خواص البر والاثم ولا یفید اصل العلم بهذه الامور بل لابد من تکرارها و ترادادها وملاحظتها کل حین وجعلها بین عینیه حتی تمتلئ القوی العلمیة بها فتنقاد الجوارح لها۔

اور پھر شاہ صاحب یہ مضمون اس پر ختم کرتے ہیں۔

وهذه الثلاثة مع اثنین أخرین احدهما بیان الاحکام من الواجب والحرام و غیرهما بیان الاحکام من الواجب والحرام وغیرهما، وثانیهما مخاصمة الکفار فنون خمسة هی عمدة علوم القرآن العظیم (حجة الله البالغه ص ۱۷۵٦)

راقم سطور کو اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ذرا تامل نہیں کہ علوم ثلاثہ کی انبیائے سابقین پر نزول کی یہ ترتیب ایسے حکیمانہ او معجبانہ انداز میں کہیں نظر سے نہیں گذری اور نہ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے ہی کبھی ذہن اس طرف منتقل ہوا۔ (ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)

از مولانا غلام الرحمٰن صاحب ، مدرس و
فاضل دارالعلوم حقانیہ ۔اکوڑہ خٹک

مسودۂ قانون دیّت و قصاص کے بعض زیر بحث نکات

عورت، غیر مسلم اور نابالغ کی شہادت

ان دنوں جب کہ بد قسمتی سے قانون دیت و قصاص کے مسلّمہ اور طے شدہ نکات کو اخبارات و رسائل میں مذموم مقاصد کی بناء پر ھر کہ و مہ کا مشق سخن بنایا جارھا ھے اس قسم کے کسی نام نہاد محقق اور سکالر کے اٹھائے گئے بعض سوالات کا الحق کے اس مضمون کا تجزیہ کیا گیا ھے جس کا تعلق قصاص و دیت میں عورت ، نابالغ اور غیر مسلم کی شہادت سے ہے (سمیع الحق)

روزنامہ مشرق میں کسی ایڈوکیٹ کا ایک مضمون ، بعنوان " دیت اور قصاص کے مسودۂ قانون کا جائزہ ۔ قصاص سے مستثنیٰ قاتل ،، نظر سے گذرا ۔مضمون کے عنوان سے بظاہر مضمون نگار کا اخلاص مترشح ہوتا ہے ۔لیکن حقیقت میں یہ ایک خالی اور بے معنی بلکہ مفسد اخلاص ہے ۔مضمون نویس کی اکثر باتیں قرآن و حدیث سے لاتعلقی پر مبنی ہیں ۔کیونکہ صاحب مضمون ہر جگہ اپنی رائے سے قرآن و حدیث کو متصادم کر کے اپنی عقلی توجیہات کو ترجیح دیتے ہیں ۔

مثلاً صاحبِ مضمون لکھتے ہیں :۔

" اسلامی قانون کی بنیاد قرآن و سنّت ہے ۔تمام قوانین حالات کو سامنے رکھ کر اجتہاد کے ذریعہ قرآن و سنّت کی روشنی میں تشکیل دیئے جاتے ضروری ہیں ۔ اجتہاد ہی کے ذریعہ سابقہ فقہا کی رائے سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ سابقہ فقہا نے اپنے وقت اور حالات کے تحت قرآن و سنت کی روشنی میں کسی مسئلہ پر رائے دی تھی ۔ چونکہ وہ حالات اب نہیں رہے اس لئے ان حالات کے تحت قائم شدہ رائے بھی بدلی جا سکتی ہے ۔ موجودہ مجوزہ مسودہ قصاص و دیت میں سابقہ فقہ کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ۔لیکن حالات کے تقاضے پورے نہیں کئے گئے ہیں "

صاحبِ مضمون کے مذکورہ جملے اس بات پر دال ہیں کہ ائمہ کرام جو اپنے زمانوں میں محنت و مشقت کر کے لاکھوں مسائل مستنبط کر گئے ہیں ۔ یہ مسائل ابھی حالات کے تقاضوں کے موافق نہیں ہیں ۔چند امور چھوڑ کر ترقی کے راہ پر گامزن ہو کر کوئی نئے طریقے اختیار کرنے چاہئیں ۔معلوم نہیں کہ مضمون نگار کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اگر ائمہ اربعہ میں سے

کسی ایک مسلک سے وابستہ ہوں تو پھر براہِ کرم یہ نظریہ اور رائے غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو پھر ائمہ مجتہدین کے ان تمام مسائل کو پس پشت ڈالنا ہوگا جن کے لئے ائمہ کرام نے سالہا سال تک رات و دن ایک کر کے محنت کی ہے۔ اور پھر بھی احادیث اور نصوص قرآنیہ سے مسائل کا استنباط کرنا بھی کارے دارد۔ جو عوام کو تو درکنار خواص کو بھی حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا اس فساد و شر کے دور میں ائمہ کرام کی تقلید کے علاوہ کامیابی کا اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہمارے جیسے نااہلوں کے لئے تقلیدِ شخصی واجب ہے۔ چونکہ تقلید کا موضوع خود ایک مستقل موضوع ہے جس پر مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہاں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ صرف سید الطائفہ مسند الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دو ارشاد تقلید سے متعلق نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

ان الامۃ اجتمعت علٰی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابۃ وتبع التابعین وھکذا فی کل طبقۃ اعتمدا العلماء علی من قبلھم والعقل یدل علی حسن ذلک لان الشریعۃ لا یعرف الا بالنقل والاستنباط۔ والنقل لا یستقیم الا بان یاخذ کل طبقۃ عمن قبلھا بالاتصال

ترجمہ۔ بیشک تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ شریعت کے سمجھنے میں اسلاف ہی پر اعتماد کرنا ہوگا۔ تابعین نے صحابہ پر اعتماد کر کے دین کو لیا ہے۔ اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا ہے۔ اور ایسا ہی ہر دور کے علماء نے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر دین پر عمل کیا ہے۔ اور عقلاً بھی یہ ایک اچھی بات ہے۔ کیونکہ شریعت کا دار و مدار نقل پر ہے۔ اور نقل ماسوائے اس اتباع اسلاف (تقلید) سے اور کسی طریقہ پر ممکن نہیں۔
(عقد الجید فی الاجتہاد و التقلید صہ ۳۶)

اور چند ورق آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:۔

وبما اندرست المذاھب الحقۃ الا ھذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجا عن السواد الاعظم۔

ترجمہ۔ اور (چوتھی صدی ہجری) میں ماسوائے ان مذاہب اربعہ کے اور کوئی حق مذہب نہ رہا تو ان مذاہب کی تقلید اجماع امت اور تقلید نہ کرنا مخالف اجماع امت ہے۔

(عقد الجید فی الاجتہاد و التقلید صہ ۳۸)

لہٰذا ائمہ کرام نے جو مسائل مستنبط کی ہیں۔ وہ آج بھی حالات کے موافق اور مناسب ہیں۔ اگر ایک حکم بظاہر ناموافق معلوم ہوتا ہو تو یہ ہمارا ہی قصورِ فہم ہوگا۔ نفس الامر میں یوں نہیں ہوگا۔ تاہم اگر ایک مسئلہ ایسا پیش آجائے

جنس کا حکم کسی کتاب میں موجود نہ ہو تو پھر مستند علماء اور با اعتماد صاحب علم حضرات ایسے جزئیات کا حکم اپنے مابین مشورہ کرکے قرآن و حدیث اور فقہ سے ان اصولوں کے مطابق نکال سکتے ہیں۔ جن اصولوں پر فقہ کا دارومدار ہے لیکن ان حضرات کے لئے بھی خاص شروط ہیں جو کتب شریعت میں موجود ہیں۔ خون کا مسئلہ۔ اور آنکھ کی تبدیلی پر "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کا بحث و تحقیق کے بعد انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے نام سے رسالہ جاری کرنا اس کا بیّن ثبوت ہے۔

لیکن قصاص و دیت یا اس کے علاوہ اور اس جیسے مسائل جن کا حکم صرف ایک کتاب میں نہیں بلکہ تمام کتب فقہ میں موجود ہیں۔ تو پھر اس کے موجود ہونے کے باوجود ان کو چھوڑ کر نئے راستے تلاش کرنا کہاں کا انصاف ہے بلکہ ماسوائے تضیع اوقات اور باعث اضلال و تضلیل کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار ۝

نام نہاد دانشور اپنے اس نظریہ اجتہاد کو بیان فرماتے ہیں کہ

" مثلاً مجوزہ آرڈی ننس میں قتل عمد کے ثبوت کے لئے عورت کی گواہی اور معصوم بچے کی گواہی کو قابل قبول نہیں سمجھا گیا ہے۔ دفعہ ۱۰ میں قتل عمد کے ثبوت کے لئے دو بالغ مردوں کی گواہی کو ہی ضروری قرار دیا ہے۔ اب فقہا کے سامنے یہ سوال ہے کہ کیا قرآن و سنّت میں عورت اور نابالغ کی گواہی کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ قرآن و حدیث میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔"

صاحب مضمون کی یہ تجویز نفاذ شریعت کے لئے معاون نہیں بلکہ مبطل ضرور ہے کیونکہ یہ اسلام کے خلاف تجاویز دے رہے ہیں جو درحقیقت اسلام کی بیخ کنی ہے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

شاید صاحب مضمون کو اس حدیث اور آیت کا علم نہیں ہوگا۔ جو حدود اور قصاص میں صرف بالغ مردوں کی گواہی کے متعلق وارد ہے۔ لیکن ان کے عدم علم سے حدیث و آیت کا عدم وجود لازم نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث میں یہ پابندی ہے کہ قتل کے امور میں صرف اور صرف بالغ مردوں کی گواہی ہی ضروری ہے۔ عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔

لحدیث الزهری مضت السنة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتين من بعده ان لا شهادة للنساء في الحدود والقصاص وقال الله تعالیٰ واستشهدوا

ترجمہ۔ حضرت زہری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر خلفائے راشدین میں سے شیخین کے دور تک کسی نے حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی ہے جب کہ خداوند قدوس

شھیدین من رجالکم
(زیلعی جلد چہارم ص ۲۰۸)

خود فرماتے ہیں کہ تم دو آدمیوں کو گواہی کے لئے پیش کرو۔

اور آگے فرماتے ہیں:۔

ولان شهادة النساء فیها شبهة البدلیة لان کل اثنین منهن قائمة مقام رجل فلا یقبل فیما یندرأ بالشبهة

ترجمہ۔ اور چونکہ دو عورتوں کا ایک آدمی کے قائم مقام ہو کر گواہی دینے کی وجہ سے شبہ بدلیت ہے۔ لہذا حدود و قصاص میں ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

اب صاحب مضمون خود غور کریں کیا عورت کی گواہی پر شریعت میں کوئی پابندی ہے یا نہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی قتل کو ایک بچہ نے جو کہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے اپنی آنکھوں سے خود دیکھتا ہے وہی اکیلا اس قتل کا گواہ ہے۔ باقی گواہ چشم دید نہیں ہیں بلکہ بچہ واقعاتی گواہ ہے تو بچے کی گواہی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ جب کہ فطرتاً ایک بچہ جھوٹ بھی کم بولتا ہے۔ اسے جھوٹ پڑھایا بھی نہیں جا سکتا۔ وہ قاتل کو بھی پہچانتا ہے آلہ قتل کو بھی پہچانتا ہے۔ اپنی زبان سے پورا واقعہ قتل بتا سکتا ہے۔ تو پھر اس کی گواہی کو نظر انداز کر دینا انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے"

واضح ہو کہ ایسے واقعات میں بچے کی گواہی کو اعتبار دینا عقلاً و نقلاً باطل ہے۔

نقلاً تو اس لئے کہ قرآن مجید نے گواہی دینے کے لئے رجلین کا لفظ استعمال کیا ہے اور قرآن کی مذکورہ آیت سے بچے کی گواہی کا ناقابل قبول ہونا صریح ہے کیونکہ بچے کو رجل نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ اردو زبان میں بچے کو مرد کہا جاتا ہے اور عقلاً بھی باطل ہے۔

۱۔ فقہاء نے بالاتفاق گواہی کی ادائیگی کے وقت بالغ ہونا شرط قرار دیا ہے۔

ولا تقبل شهادة ــــ المملوك والصبی لانها من الولایة ولا ولایة لهما علی انفسهما فالا اولی ان لا یکون لهما علی غیرهما ولایة

بحر الرائق جلد سابع

ترجمہ۔ نابالغ اور غلام کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ گواہی ایک طاقت کا استعمال ہے۔ یہ دونوں خود عاجز ہو کر غیر پر کیا طاقت استعمال کریں گے۔

۲۔ یہ مسلمات میں سے ہے کہ گواہی کے لئے عقل کامل کا ہونا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ پاگل کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ لہذا اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا نابالغ بچے کی گواہی درست ہے یا نہیں۔ تو یہ ظاہر ہے کہ بچہ ہمیشہ کے لئے کم عقل اور کم ہوشیار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے کی نابالغی کی عمر میں بچہ اپنے مستقبل کی کامیابی کو نہیں سمجھتا۔ بلکہ ایسے بچے

کو والدین یا کسی دوسرے سرپرست کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابھی ایک بچہ اس حیثیت سے ایک واقعہ کو من وعن کہاں محفوظ کر سکتا ہے۔ اور پھر ان حالات میں گواہی کا مکمل اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے بچے کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہے۔

۳۔ اور اگر بالفرض ایک نابالغ لڑکا کسی گواہی کو زبانی یاد کرے۔ تو عدالت یا کسی مجاز افسر کے سامنے رعب و جلال اور ہیبت کی وجہ سے مکمل گواہی نہیں سنا سکتا۔

۴۔ نابالغ کی قوتِ ارادی مضبوط نہیں ہوتی۔ اس لئے بصورت ڈرانے یا دھمکانے کے آسانی سے بچہ اپنی گواہی سے منحرف بھی ہو سکتا ہے۔ حقیقت کو غیر حقیقت اور غیر حقیقت کو حقیقت سے تبدیل کر سکتا ہے۔ بخلاف بالغ آدمی کے جو اپنی قوتِ ارادی پر مضبوطی سے ڈٹ سکتا ہے۔ گواہی درست اور صحیح نقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر ایک نابالغ کی گواہی پر عمل کیا جائے تو واللہ اعلم کتنے مفاسد کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی۔

صاحبِ مضمون آگے فرماتے ہیں:۔

"غیر مسلم کی گواہی کو بھی نظر انداز کر دینا بھی اسلام کی روحِ انصاف کے مخالف ہے"

تو واضح ہو کہ غیر مسلم کی غیر مسلم پر گواہی درست ہے۔ جیسا کہ خود مذکورہ مسودہ آئین کی دفعہ ۱۰ کی شق (ب) میں کہا گیا ہے۔ غیر مسلم کی گواہی مسلمان پر درست نہیں ہے۔ اور یہ اسلام کی روحِ انصاف سے مخالف نہیں بلکہ عین موافق ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

وقید بقوله على مثله لانها لا تقبل على مسلم للاٰیة ولن یجعل الله للكفرین على المومنین سبیلا

ترجمہ۔ یعنی غیر مسلم کی غیر مسلم پر گواہی درست ہے لیکن غیر مسلم کی مسلمان پر گواہی درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن میں ہے۔ اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ نہیں دے گا۔

(بحر الرائق جلد سابع صـ ۹۴)

اور نیز کفار چونکہ فطرتاً اسلام سے بغض رکھتے ہیں۔ لہٰذا پھر غیر مذہبی حمیت کی وجہ سے اسلام کے ماننے والوں پر کیا کیا جھوٹی گواہی دیں گے۔ جو کہ حقیقت میں اصلاحِ معاشرہ کے لئے ایک تباہ کن چیز بن جائے گا۔

صاحبِ مضمون لکھتے ہیں:۔

"دس سال کی عمر سے اوپر کے قاتل قصاص سے مستثنیٰ نہ ہونے چاہئیں"

مذکورہ تجویز بھی ایک مضحکہ خیز تجویز ہے کیونکہ شریعت میں مرد کے بلوغ کے لئے کم از کم دس سال کہیں بھی نہیں ہے بلکہ کم از کم بارہ سال ہیں۔ لہٰذا دس سال کے قاتل کو قصاص سے مستثنیٰ نہ کرنا خلافِ شریعت ہے۔ کیونکہ شریعت میں نابالغ کے فعل پر عدمِ عقل کی وجہ سے قصاص نہیں ہے۔ البتہ عاقلہ سے دیت لینا واجب ہے۔ تاکہ ہر ایک اپنے اپنے نابالغ کا خیال رکھیں۔

آگے فرماتے ہیں :-

" اولاد کے قاتل کا معاملہ بھی عجیب ہے .... کوئی شخص کسی جنسی ترغیب پر اپنی اولاد کو قتل کر دے ۔ یا جب چاہے دوسرے لڑکوں کی ترغیب پر وراثت سے محروم کرنے کے لئے اپنے لڑکے کو قتل کر دے بمستوجب قصاص نہیں ۔ یہ استثنٰی اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے "

والد کو اولاد کے قتل پر قصاص میں قتل نہ کرنا اہلِ اسلام کا ایک اجماعی مسئلہ ہے خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ۔

لا یقاد الوالد بولدہ	ترجمہ ۔ باپ کو بیٹے کے قتل پر قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا ۔

یہ روایت امام ترمذی کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے قابل احتجاج کی حیثیت سے ذکر ہے ۔ جو محدثانہ کلام سے تعلق رکھتی ہے ۔ الغرض حدیث میں کوئی شبہ نہیں ہے ۔

۲ - والد کی ہمیشہ کے لئے اپنی اولاد سے نہایت ہی محبت اور شفقت ہوتی ہے اور تقاضائے شفقت پدری کوئی سلیم العقل آدمی اپنے بیٹے کو قتل نہیں کرتا ۔ لہذا اس شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو گا ۔

ولان الوالد لا یقتل ولدہ غالبا لوفور شفقتہ فیکون ذلک شبہ فی سقوط القصاص (بحر الرائق جلد ثامن صہ ۲۹۶)	ترجمہ ۔ باپ عموماً اپنے بیٹے سے شفقت پدری کی وجہ سے بیٹے کو قتل نہیں کرتا تو اس شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو گا ۔

۳ - باپ چونکہ بیٹے کے احیاء اور زندگی کے لئے بظاہر ایک سبب ہے لہذا بیٹے کو اب باپ کے خاتمہ کے لئے سبب نہیں بنتا چاہیئے ۔

ولان الاب لا یستحق العقوبۃ بولدہ لانہ سبب لاحیائہ فمن المحال ان یکون الولد سببا لافناءہ (ایضاً)	ترجمہ ۔ باپ بیٹے کے قتل پر مستحق قصاص نہیں ہے کیونکہ باپ بیٹے کی زندگی کے لئے ایک سبب تھا تو ابھی بیٹے کا باپ کے فنا کے لئے سبب نہیں ہونا چاہیئے ۔

۴ - باپ اگر مشرک ہو اور بیٹا مسلمان ہو تو باوجود مشرک ہونے کے بیٹا باپ کو قتل نہیں کر سکتا ۔ تو قصاص میں کیسے قتل ہو گا ۔

ولھذا لا یقتلہ اذا وجدہ فی صف المشرکین مقاتلتہ (ایضاً)	ترجمہ ۔ اور باپ بیٹا کو جہاد کے دوران بھی قتل نہیں کر سکتا ۔

علاوہ ازیں اگر ایک باپ باوجود اس قدر احترام کے اپنے کسی لخت جگر کی زندگی کا چراغ گُل کردے تو پھر اس باپ پر دیت واجب ہوگی۔ جو کہ خود اس کے اپنے مال سے تین سالوں میں ادا کی جائے گی۔ اور بصورت مصلحت عدالت کے استصواب رائے سے تعزیر کا بھی مستحق ہے۔ لیکن ازروئے شرع والد پر قصاص نہیں ہے۔

وهذه الديات كلها على العاقلة الا في قتل الاب ابنه عمدا فانها في ماله في ثلاث سنين ولا تجب على العاقلة (فتاوی عالمگیری جلد سادس صــ ۲۴)

ترجمہ۔ دیگر تمام دیات قاتل کی عاقلہ سے لیے جائیں گے۔ البتہ باپ اگر بیٹے کو قتل کرے تو اس کی دیت باپ کے مال سے تین سالوں میں کی جائے گی عاقلہ پر واجب نہیں ہے۔

میں آخر میں لاعلم محبان دین سے عرض کروں گا کہ خدارا اس دین کا دارومدار نقل پر ہے اور عقل پر نہیں ہے لہذا اس میں ذاتی رائے کو دخل نہ دیجئے۔ مستند علماء سے بات پوچھ کر سپرد قرطاس کیا کریں۔ تاکہ کسی کی گمراہی کا ذریعہ نہ بنے اور اگر کوئی خواہ مخواہ عناد سے کام لے تو پھر ارباب اختیار پر لازم ہے کہ ایسے غیر ذمہ دارانہ بیانات پر مواخذہ کریں۔

علامہ شمس الحق افغانی کی یاد میں!

بہارِ علم پر چھائی ہے ویرانی ہی ویرانی — جدا جب سے ہوئے ہم سے جناب حضرت افغانی
جہانِ علم میں باقی نہیں وہ پہلی سی رونق — بہت آئے مگر آیا نہیں تیرا کوئی ثانی
کہاں وہ شمسِ حق لوگو! کہاں یہ شمس دنیا پھر — کہ اس کی روشنی باقی اور اس کی روشنی فانی
مفسر تھے محقق تھے محدث تھے مورخ تھے — وہ رازی، تفتازانی، عسقلانی اور شیبانی
علوم ظاہری میں دورِ حاضر کے وہ قاسم تھے — علوم باطنی میں دورِ حاضر کے تھے جیلانی
بیاں میں وہ تسلسل اور زباں میں اتنی شیرینی — کہ مشکل بات بھی لوگوں کو سمجھا دیں بآسانی
بہت کم لوگ دیکھے ہیں ہوں جن میں وصف یہ دونوں — کہ رتبہ اس قدر عالی مگر بہ خندہ پیشانی
چراغِ علم و حکمت تا دمِ آخر جلا رکھا — ہمیشہ یاد رکھے گا زمانہ تیری قربانی

تعارف کیا کرائے گا تو راسخ اس کا دنیا کو
کہ جس کی شخصیت ہے کل جہاں میں جانی پہچانی

(عبدالرؤف صاحب راسخ)

حکومت پاکستان ۔ دفتر چیف کنٹرولر درآمدات و برآمدات

C.C PAKISTAN I.&E.

اسلام آباد ۱۶/۱۰/۸۴

امپورٹ ٹریڈ کنٹرول

پبلک نوٹس

عنوان ۔ پاک چین بارٹر ۔ نمبر ۱۳ ۔ مورخہ ۱۲/۷/۸۴ کے تحت ایلوکیشنز

نمبر ۴۶ (۸۴) امپورٹ ۔ I : امپورٹر حضرات کی اطلاع کے لئے یہ مشتہر کیا جاتا ہے کہ پاک چین بارٹر نمبر ۱۳ مورخہ ۱۲.۷.۸۴ کے تحت مندرجہ آئیٹموں کی درآمد کے لئے درآمدی پالیسی آرڈر ۱۹۸۴ء کی مراعات کے مطابق فوری استعمال کے لئے فنڈز دستیاب ہیں۔

نمبر شمار	آئیٹمیں	سیریل نمبر درآمدی پالیسی آرڈر ۱۹۸۴ء یا پازیٹو لسٹ
۱۔	ٹولز اور ورکشاپ ایکوپمنٹ	سیریل نمبر ۱۸ ۔ پارٹ ۔ بی انیکس ۔ II اور سیریل نمبر ۵۳۱ آف پازیٹو لسٹ
۲۔	سینٹری ویئر	سیریل نمبر ۱۵ ۔ پارٹ ۔ بی آف انیکس ۔ II
۳۔	چینی کے برتن یا پورسیلین ٹیبل ویئر (صرف گھریلو)	سیریل نمبر ۴ ۔ پارٹ بی آف انیکس ۔ II
۴۔	کیمیکل ایلیمینٹس اور کمپوننٹس	سیریل نمبر ۱۲۶، ۱۲۷ اور ۱۲۸ پازیٹو لسٹ
۵۔	(۱) پیپر	سیریل نمبر ۲۳۸ پازیٹو لسٹ
	(۱۱) پیپر بیگیز برائے پیکنگ سیمنٹ اور کاربن بلیک	سیریل نمبر ۲۳۹ پازیٹو لسٹ د آئی پی او ۱۹۸۴ء کے پیرا ۔ ۵ پر منحصر ہے۔
۶۔	اسٹیشنری	سیریل نمبر ۸۳ (M) پازیٹو لسٹ
۷۔	آئرن اور سٹیل پروڈکٹس	سیریل نمبر ۳۸۴ اور ۴۶۱ تا ۴۷۹ پازیٹو لسٹ
۸۔	میڈیکل اور فارماسوٹیکل پروڈکٹس	سیریل نمبر ۲۱ پازیٹو لسٹ
۹۔	چائے	سیریل نمبر ۸۸ پازیٹو لسٹ

۲۔ خواہشمند اور امپورٹر حضرات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنی درخواستیں سادہ کاغذ پہ درآمدی طریقوں اور ریگولیشنز برائے ۸۵-۱۹۸۴ء پر ہینڈ بک کے اپنڈکس IV میں دئے گئے مجوزہ پروفارما پر جو کہ CCI&E چیف کنٹرولر درآمدات و برآمدات کی طرف سے جاری شدہ ہو پیش کرے ۔ درخواستیں بنک پے آرڈر مجوزہ لائسنس فیس کے ساتھ ۱۵-۱۱-۸۴ تک اپنے اپنے نامزد بنکوں کی وساطت سے متعلقہ لائسنسنگ کاؤنٹروں پر پیش کردیں۔

۳۔ اگر درخواستیں بے بہا رقم کے لئے ہوں گی یا درخواست کردہ لاگت رقوم دستیاب فنڈز سے تجاوز کر جاتی ہے تو ایسی صورت میں چیف کنٹرولر درآمدات و برآمدات جیسا بھی مناسب سمجھیں گے ۔ لائسنسنگ کی بنیاد طے کریں گے۔

(سعید اے زیدی) ڈپٹی کنٹرولر برائے چیف کنٹرولر درآمدات و برآمدات

F.N.1 (21)/84-BR

PID(I) 1566/12

ملٹری انجینیئر سروسز

ٹینڈر نوٹس

۱۔ ڈی۔ ڈبلیو اینڈ چیف انجینیئر (پی اے ایف) پشاور کینٹ کو سی ایم ای ایس (پی اے ایف) پشاور ایریا کے تحت چند سہولیات کی فراہمی (ریفرنس نمبر ۳۰۶۸۳) کے لئے پری کوالی فیکیشن اور ٹینڈر کے اجراء کے سلسلے میں اے سی ای / سی ایم ای ایس / جی ای / اے جی ای سے دستیاب مجوزہ فارموں پر ۵ نومبر ۱۹۸۷ء تک درخواستیں مطلوب ہیں۔

۲۔ صرف وہ فرمیں / ٹھیکیداران جو ایم ای ایس یا دیگر سرکاری محکموں میں کسی منظور شدہ فہرست میں "بلا حد" کے لئے مندرج ہوں اور اسی نوعیت کے کام کا تجربہ رکھتے ہوں درخواستیں ارسال کر سکتے ہیں۔

۳۔ ایم ای ایس کی منظور شدہ فہرست میں مندرج نہ ہونے والے ٹھیکیداروں / فرموں کو اپنی درخواستوں کے ساتھ متعلقہ محکمہ کی مناسب فہرست میں مندرج ہونے کا ثبوت۔ مالی ساکھ کی سٹیٹمنٹ ہمراہ ضروری بنک سرٹیفکیٹ سابقہ تجربہ جس میں درج ذیل پیرا فارما پر گذشتہ دو سالوں کے درمیان انجام دے گئے اور زیر دست کاموں کی تفصیلات اور کام کی نوعیت درج ہو۔ مجاز اتھارٹی سے باقاعدہ تصدیق کر کے فراہم کرنا ہو گا۔
انہیں ۵۰۰/- روپے کی ایف ڈی آر بھی بطور زر بیعانہ فراہم کرنی ہو گی۔

نمبر شمار	گذشتہ دو سالوں کے درمیان تکمیل شدہ اور زیر دست کاموں کے نام	ایجنسی یعنی پی ڈبلیو ڈی / سی ڈی اے) وغیرہ	کام کی مالیت	مقررہ مدت (مہینوں میں)	کام شروع کرنے کی تاریخ	عرصہ تکمیل	زیر دست کاموں کی فی صد پراگریس	انجینیئر انچارج کی جانب سے ہر کام کے بارے میں محکمانہ کارکردگی کی رپورٹ

PID (P) 863

کوٹیشن مطلوب ہیں

سرحد ترقیاتی کارپوریشن برائے جنگلات کو انگلش ٹائپ رائٹر مشینوں کی سپلائی کے لئے مندرجہ ذیل ساخت اور سائز کے لئے سربمہر کوٹیشن مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	نام ٹائپ رائٹر مشین	سائز
۱-	اے بی سی (سٹیل باڈی)	9½″، 13½″، 15½″، 18¼″، 22″، 24″، 26″ اور 28″
2-	اولمپیا (سٹیل باڈی)	9½″، 13½″، 15½″، 18¼″، 22″، 24″، 26″ اور 28″
3-	اولیوٹی (سٹیل باڈی)	9½″، 13½″، 15½″، 18¼″، 22″، 24″، 26″ اور 28″

مختصر شرائط

۱- کوٹیشن بذریعہ ڈاک دفتر زیر دستخطی کو مورخہ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۸۴ کو صبح گیارہ بجے تک پہنچ جانے چاہئیں۔

2- زیر دستخطی کو اختیار ہوگا کہ کسی بھی ٹینڈر کو وجہ بتلائے بغیر مسترد کردے۔

3- کوٹیشن کے منظوری کے بعد کوٹیشن دہندہ پندرہ (15) یوم کے اندر ٹائپ رائٹر مشین دفتر زیر دستخطی کو سپلائی کرے گا۔

4- رقم کی ادائیگی مشینوں کی سپلائی اور معائنہ کے بعد کی جائے گی۔

عبداللہ خان خٹک

منیجر فارسٹ اپریشن۔ ایف۔ ڈی۔ سی

ملاکنڈ سرکل۔ بمقام (گل کدہ)

سیدو شریف۔ سوات

INF(P) 2284

از جناب شاہ بلیغ الدین صاحب۔ کراچی

ایک بار مامون رشید کے سامنے ایک شخص کو پیش کیا گیا۔ مامون نے پوچھا — تم کون ہو؟ اس نے کہا — نبی ہوں! مامون بولا — کوئی معجزہ دکھا سکتے ہو؟ اس نے کہا — جی ہاں! مامون نے پوچھا — کیا معجزہ دکھاؤ گے؟ اس نے کہا — میں آپ کے دل کی بات بتاتا ہوں۔ مامون نے کہا — نبی کا کام لوگوں کے دل ٹٹولنا نہیں خیر چھوڑو اس بات کو اور یہ بتاؤ کہ اس وقت میں کیا سوچ رہا ہوں۔ اس نے کہا — خلیفہ کے دل میں یہ خیال ہے کہ میں جھوٹا ہوں! مامون ہنس پڑا بولا — نبوت ٹھٹھول کا نام نہیں۔ تم نے گاؤں کے جاہل لوگوں کو فریب دے کر لوٹا ہے۔ اس لئے جیل جاؤ۔ وہاں دو دن میں نبی جی اپنی ہیکڑی بھول گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام برسوں قید میں رہے وہاں بھی تبلیغ دین کرتے رہے۔ لیکن یہ ڈیڑھ نبی دو روز میں توبہ کر کے اور اپنے جرم کا اعتراف کر کے چھوٹ گیا۔ اس نے کہا — میں نے تو نبوت کو عیش کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا تھا۔ اس کے لئے جیل جانا پڑے گا یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا۔

بنو عباس کے دور میں بہت سے مسخروں، نیم پاگلوں اور فتنہ پروروں نے نبوت کا دعویٰ کیا لیکن انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں میں ہوشیار لوگ وہ ہوتے ہیں جو کسی اللہ کے نبی کے ساتھ اپنے آپ کو شریک بناتے ہیں۔ جیسے مسیلمہ کذّاب نے کیا۔ اس نے اپنے قبیلے والوں سے کہا — میں نبی ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ شریک کیا ہے یہ صاف جھوٹ تھا۔ لوگوں کو دھوکا دینے کا ایک طریقہ۔ نبوت کوئی ایسا عہدہ نہیں جس میں ایک دوسرے کو شریک کیا جائے۔ یہ منصب تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ جب اس نے یہ دنیا بنائی اسی وقت اس نے اپنے رسولوں کو چن لیا۔ اس لئے ہر نبی نے اپنی امت کو جھوٹے نبیوں کے فتنے سے ہوشیار کیا ہے۔ اور اگر کوئی آنے والا نبی تھا تو وہ بھی بتا دیا۔ مسیلمہ نے اپنی اذان وہی رکھی تھی جو مسلمانوں کی اذان تھی۔ تمام اصطلاحیں بھی وہی رکھیں۔ مسجد، نماز، قرآن، صحابیات ام المومنین وغیرہ وغیرہ۔ تاکہ دھوکے میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ لیکن اسے کافر قرار دیا گیا۔ اور صدیق اکبرؓ نے خلافت سنبھالتے ہی پہلے دو بڑے کام یہ کئے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے منافقوں کو کچل دیا۔ اور پھر اس جھوٹے نبی مسیلمہ سے باضابطہ جہاد کیا جھوٹے نبیوں سے جہاد کرنے پر اجماعِ صحابہ ہے۔ جو اپنے آپ کو نبی کہے وہ کافر! اس میں کوئی شک نہیں کوئی شبہ نہیں

جو خاتم المعصومین اور خاتم الانبیاء کے بعد کسی نبی یا ظلی نبی، صاحب وحی یا معصوم مانے وہ بھی کافر۔ اس میں کوئی حیل و حجت نہیں جب تک یہ فتنہ مٹا نہ دیا جائے۔ اسلامی حکومت اور عام مسلمان چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ جو اس معاملہ میں غفلت کرے گا گنہ گار ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انبیاء میں بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ سب سے بڑی فضیلت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ امام الانبیاء، خاتم المعصومین اور خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی، امام یا ولی اللہ کی طرف سے مامور نہیں ہو گا۔ کوئی اس کے خلاف سوچتا یا عمل کرتا ہے تو وہ مسلمان باقی نہیں رہتا۔ شریعت آپ پر ختم۔ حرام و حلال میں ایک کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا پیام مکمل ہو گیا۔ اب کسی پر وحی نہیں آسکتی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ

میں عاقب، حاشر، ماحی اور خاتم ہوں۔ میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔ حضرت موسیٰ نبی تھے ان کی مدد کے لئے ان کے بڑے بھائی ہارون کو اللہ نے نبی بنایا۔ حضرت عیسیٰ نبی تھے ان پر تو وحی بھی آئی۔ کتاب بھی اتری لیکن ان کی شریعت وہی تھی جو موسیٰ کی تھی۔ جھوٹے نبیوں میں سے بعض نے اللہ کے اس نظام سے فائدہ اٹھانے کے لئے اور لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کہا ــــ ہم غیر تشریعی نبی ہیں جیسے عیسیٰ تھے۔ مسیلمہ نے یہ بات کہی تھی کہ شریعت تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو گی مگر میں بھی نبی ہوں۔ اسی طرح کسی جھوٹے نے کہا کہ ــــ ہارون کی طرح وہ ظلی نبی ہے اور دوسرا فریبی بولا ــــ وہ بروزی نبی ہے۔ تیسرے دھوکا باز نے نعرہ لگایا۔ وہ مثیل مسیح ہے۔ یہ سب جھوٹ اور دھوکے کا کاروبار ہے۔ حضرت عیسیٰ بے شک دنیا میں آئیں گے لیکن وہ ماں کے پیٹ سے نہیں پیدا ہوں گے۔ وہ دمشق کے مشرقی حصے میں دو فرشتوں کے پروں پر ۳۲ سالہ جوان العمر شخص کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ وہ حضور اکرم کی رسالت پر ایمان لائیں گے۔ خود نماز نہیں پڑھائیں گے بلکہ امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ نبوت کا دعویٰ نہیں کریں گے۔ دین محمدؐ کے خدمت گزار ہوں گے۔ ان کا کام دجال سے لڑنا، عدل کرنا اور عیسائیت کو ختم کرنا ہو گا۔ وہ عیسائیت کے ٹکڑوں پر نہیں پلیں گے۔ وہ حضور اکرمؐ کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کریں گے۔ جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔ انگریز کے دور میں جس کسی کو بھی قادیانی یعنی مرتد بنایا گیا تو اس میں انگریز کی عیاری کو بڑا دخل تھا۔ اس نے نوکریاں دے کر روپیہ دے کر شادی بیاہ کر وا کر اور لالچ کے ذریعے دیہاتوں کے جاہل اور سیدھے سادے لوگوں کو یہ کہہ کر کہ ہم تمہیں اچھا مسلمان بنا رہے ہیں قادیانی بنا لیا۔ کچھ عیار ضمیر فروش سیاستدانوں کو پھانس لیا گیا تاکہ اسلام کو نقصان پہنچایا جائے۔ ان فریب خوردہ سادہ لوح اللہ کے بندوں کو صحیح حالات بتانے اور اسلام کے عقائد سے واقف کرانے کی شدید ضرورت ہے۔ اس لئے کہ انہیں سچی باتیں معلوم ہی نہیں۔

صدیق اکبرؓ نے بہکائے ہوئے لوگوں کو توبہ کا موقع دیا۔ طلیحہ اسدی نے توبہ کی اور پھر سے اسلام میں داخل ہو گیا۔ مسلمانوں کی حکومت اور مسلمان دونوں جھوٹے نبیوں کے فتنے کو کچلنے اور غلط فہمی یا لالچ سے پھنسائے

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۹)

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے
”لباس التقویٰ ذلک خیر“

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ،
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں، بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے موزوں۔ حسین کے پارچہ جات، شہر کی ہر بڑی دکان پر، دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

SOHRAB
پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب

نصابِ مدارسِ عربیہ کی تدوینِ جدید

از مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مورخہ ۳۱ جنوری ۸۴ء کو مولانا سمیع الحق صاحب کے مشورہ سے مولانا عبدالقیوم حقانی نے "وفاق المدارس" کی نصاب کمیٹی کے نام ایک خط لکھا تھا جسے وفاق کے مرکزی دفتر ملتان نے شائع کرکے تقسیم کیا اسی مکتوب کو ماہنامہ الحق جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ میں مضمون کی شکل میں شائع کیا گیا۔ اور اب اسے ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند نے الحق سے نقل کرکے شائع کیا۔ اور اس کے ساتھ مولانا قاضی زین العابدین سجّاد رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا چھ صفحات کا تبصرہ بھی شائع کیا ہے۔ اب وہی تبصرہ بشکریہ دارالعلوم نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

آج کل ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ مدارس عربیہ دینیہ کے نصاب تعلیم کا مسئلہ زور شور سے زیر بحث ہے کچھ وہ علماء کرام ہیں جو قدیم نصابِ تعلیم، درسِ نظامی کو بدستور جاری رکھنے کے حامی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اس میں ترمیم تغیر کے حق میں ہیں، پاکستان میں تو "وفاق المدارس العربیہ" کی تنظیم اس موضوع پر کئی اجتماعات منعقد کر چکی ہے ہندوستان میں ابھی حال میں پہلے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک سیمینار منعقد ہو چکا ہے۔ اس کے کچھ ہی روز بعد جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام دہلی میں ایک کانفرنس منعقد ہو چکی ہے۔ دونوں اجتماعات میں (جن میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا) فی الحال کسی فیصلہ پر نہیں پہنچا جا سکا۔ بلکہ فیصلہ اور غور و فکر کے لئے کمیٹیاں بنا دی گئی ہیں۔ خدا کرے کوئی نتیجہ نکلے اور ہمارے اہل علم و فکر اس مسئلہ کو حل کر سکیں۔

اس سلسلہ میں مختلف اہل علم و اصحاب قلم کے مضامین بھی دونوں ملکوں میں شائع ہو رہے ہیں۔ جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ کے "الحق" (اکوڑہ پاکستان) میں حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ کا مضمون "نصاب مدارس عربیہ کی تشکیل جدید کا مسئلہ" کے زیر عنوان نظر سے گذرا۔ مضمون قدیم نصاب تعلیم درس نظامی کی حمایت میں ہے اور موید ین درس نظامی کی طرف سے ایک مدلل و جامع بیان ہے۔ اس مضمون کے پڑھنے کے دوران بعض نکات میرے ذہن میں بھی آئے ہیں انہیں درج کر رہا ہوں تاکہ ان پر بھی غور فرما لیا جائے۔

۱۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح (جس کا ذکر صاحب مضمون نے اپنے مضمون میں کیا ہے) یہ خاکسار بھی اب سے تقریباً چالیس سال پہلے درس نظامی کی تبدیلی کے حق میں تھا۔ اور اس تبدیلی کو عمل میں لانے کے لئے بعض عملی اقدامات بھی کئے تھے۔ مگر حضرت شیخ کی طرح، عمر اور تجربہ کے اضافہ کے ساتھ ساتھ اس جنون میں کمی ہوتی جارہی ہے۔ اب میری رائے یہ ہے کہ اصل مسئلہ قابل توجہ نصاب تعلیم کا نہیں بلکہ طرز تعلیم کا ہے۔ اگر اساتذہ کرام لائق اور محنتی ہوں اور طلبہ کو بنانے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو ہر نصاب اپنے اپنے دائرہ میں مفید اور کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ درس نظامی اگر کامل توجہ سے پڑھایا جائے اور پڑھنے والے بھی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کرکے اسے پڑھیں تو بقول مولانا عبدالقیوم صاحب طالب علم جس فن کی کتاب چاہے آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور کوئی کتاب لاینحل نہیں رہ سکتی۔

مگر مشکل یہ ہے کہ بڑے مدارس (دارالعلوم دیوبند وغیرہ) میں ہر درجہ میں اتنے طلبہ ہوتے ہیں کہ اساتذہ اور طلبہ کے درمیان کوئی ربط و تعلق نہیں ہوتا۔ اور اساتذہ کا درس جلسہ عام کی تقریر بن کر رہ جاتی ہے۔ اساتذہ طلبہ کی مشکلات سے واقف نہیں ہوتے اور یہ جان بھی نہیں پاتے کہ کچھ ان کے پلّہ پڑا کہ نہیں۔ اس لئے ضروری ہے خصوصاً نیچے کے درجات میں کہ طلبہ کی تعداد دس پندرہ سے زیادہ نہ ہو۔ اور استاد طلبہ کا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ کہ وہ مطالعہ کرکے آتے ہیں یا نہیں اور سبق سمجھ کر اٹھتے ہیں یا نہیں۔ میری رائے ہے کہ بڑے مدارس کے ممتاز فارغ التحصیل جنہوں نے علمی دنیا میں نام پایا۔ زیادہ تر ان میں وہ ہیں جنہوں نے ابتدائی اور وسطانی تعلیم چھوٹے مدرسوں میں شفیق اساتذہ کی آغوش میں پائی اور بعد میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند یا سہارنپور گئے۔

۲۔ مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ "درس نظامی" کے نام سے ہمارے ہاں جو نصاب مروج ہے وہ منجمد ہے گذشتہ تین سو سال کے عرصہ میں اس میں بے شمار تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ صحاح ستہ تو درس نظامی کا جزو ہی نہ تھی یہ تو خانوادۂ ولی اللہی کی دین ہے۔ فلسفہ و منطق، صرف و نحو اور ادب کی بھی بہت سی کتابیں، ملّا نظام الدینؒ کے عہد کے بعد کی تصنیف ہیں جو وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتی رہیں مثلاً مرقات۔ ملا حسن۔ شرح ہدایۃ الحکمۃ (خیرآبادی) حمد اللہ، قاضی مبارک۔ ملا مبین، علم الصیغہ، دستور المبتدی، مفید الطالبین، نفحۃ الیمن، نفحۃ العرب وغیرہا۔ اب موجودہ حالات میں اس میں پھر تبدیلی کی ضرورت ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں موجودہ درس نظامی (جسے میں نصاب ولی اللّٰہی کہنا زیادہ صحیح سمجھتا ہوں) کے نصاب کے تغیرات کا اگر تاریخی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پہلے دارالعلوم کے قیام کے بعد ۱۲۸۵ھ میں۔ پھر ۱۲۸۹ھ میں پھر ۱۲۹۰ھ میں پھر ۱۳۰۱ھ میں نصاب میں تغیرات ہوتے رہے ہیں۔ اس کے بعد بھی اس میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ مجلس شوریٰ اور مجلس تعلیمی اس پر وقتاً فوقتاً غور کرتی رہتی ہے۔

جہاں تک علوم عصریہ کا تعلق ہے اس میں بھی معتدل اور متوازن راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے یہ صحیح ہے کہ ہمارے مدارس میں ان پر زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا۔ نہ ہی طلبہ یہ دوہرا بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ نہ ہمارے غریب مدارس ہی ان کی تعلیم کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تاریخ جغرافیہ اور معلومات عامہ وغیرہ سے تھوڑی بہت واقفیت ضروری ہے۔ بعض اوقات تو ہمارے علماء ان علوم سے کورے ہونے کی وجہ سے مذاق بن جاتے ہیں اور ان کو پڑھے لکھے لوگوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ تاریخ اسلام کو تو علوم جدیدہ میں شمار کرنا ہی غلط ہے۔ آخر جس علم کو مسلمانوں نے قصہ و خرافات سے ممتاز کر کے بارہ سو سال پہلے مستقل علم کا درجہ دیا۔ اس کے اصول وضع کئے اور اسے علمی و عقلی بنیادوں پر مدوّن کیا۔ اُسے علوم جدیدہ میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ اور اس سے بے بہرہ رہ کر کیا کوئی اہل علم کی صف میں شمار ہو سکتا ہے؟ اپنے اکابر کے شاندار کارناموں سے ناواقف رہ کر کوئی قوم ترقی کی منزلیں طے نہیں کر سکتی۔ پھر یہ سیرۃ نبویہ اور خلفائے راشدین سے واقف ہوئے بغیر تو اسلام کی عملی تصویر ہی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔

شاید کم لوگوں کو معلوم ہو (خصوصاً پاکستان میں) کہ غالباً ۱۳۹۰ھ سے دارالعلوم دیوبند میں علوم جدیدہ کا اضافہ کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ اب سال پنجم و ششم میں (مختصر المعانی وجلالین کے ساتھ) تاریخ اسلام مکمل، تاریخ ہند (از عہد سلطان محمود غزنوی تا ۱۹۴۷ء) جغرافیہ عالم، جغرافیہ جزیرۃ العرب وبلاد اسلامیہ، جنرل سائنس، فلاسفہ جدید کے نظریات، حفظان صحت، دستور ہند) بحیثیت مضامین داخل نصاب تعلیم ہیں۔ اور ان کی مختصر اور سہل کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں۔ انگریزی بھی اختیاری طور پر داخل نصاب کی گئی تھی اور اس کے لئے ایک ڈگری کالج کے ریٹائرڈ پرنسپل صاحب کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ مگر یہ تجربہ مفید اور کامیاب ثابت نہ ہوا۔

۳۔ صرف و نحو کی کتابوں کی تبدیلی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا عبدالقیوم صاحب فرماتے ہیں:-

نحو میر اور اس کی جاندار مختصر مگر پرشکوہ عبارت، میزان الصرف، صرف میر، علم الصیغہ، مراح الارواح اور فصول اکبری اور اس کی خاصیات اور روسی خصوصیات سے طلبہ کے اندر جو ملکہ علمی رسوخ اور پختگی حاصل ہوتی ہے، کیا مولانا مشتاق احمد کے اردو رسائل علم النحو اور علم الصرف سے یہ کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔

یہ صحیح ہے مگر مولانا مشتاق احمد کے رسائل کے علاوہ اور بھی کتنی اچھی کتابیں ہندوستان اور مصر میں تیار ہو چکی ہیں۔ ان میں سلجھے انداز میں قواعد عربی کو سمجھانے اور ان کے عملی اجراء پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً حافظ عبدالرحمٰن امرتسری کی کتابیں کتاب الصرف وکتاب النحو وغیرہ اچھی کتابیں ہیں۔ ان میں کافیہ اور پنج گنج تک

کے مسائل اچھی ترتیب اور سلجھے ہوئے انداز میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ پھر یہ کتابیں اردو زبان میں ہیں اس لئے طلبہ پر دوسرا بوجھ نہیں پڑتا۔ ابتدائی تعلیم کی مادری زبان میں ضرورت و اہمیت ماہرین تعلیم کے نزدیک مسلم ہے

خاکسار نے بھی اب سے چالیس سال پہلے "کلام عربی" کے نام سے صرف و نحو عربی کے اہم مسائل پر دو حصوں میں ایک کتاب لکھی تھی۔ جو ابتدائی صرف و نحو کی تعلیم کے لئے مدارس میں پسند کی گئی۔ ان پر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا تھا۔

" ماشاء اللہ کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ ترتیب بہت سہل الحصول ہے۔ جو لوگ عربی زبان کی دشواری کا عذر کرکے ادھر متوجہ نہیں ہوتے تھے ان کے لئے آپ نے کوئی عذر کا موقعہ نہیں چھوڑا "

دیگر اکابر ملت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی وغیرہ نے بھی بلند پایہ الفاظ میں تحسین فرماکر ذرہ نوازی فرمائی تھی اور حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے تو النظام العربی فی التقریظ علی الکلام العربی کے عنوان سے ایک رسالہ ہی اس کی تعریف و تعارف میں ارقام فرمادیا تھا۔

عربی زبان میں مصر کی جدید مطبوعات النحو الواضح از علی الجازم و مصطفیٰ امین کے چھ حصے بھی بہت مفید اور سلجھے ہوئے انداز میں لکھے گئے ہیں۔ ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ قواعد عربی کا عملی اجرا بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا ہے اور عربی زبان کے قواعد اس طرح پڑھائے جاتے ہیں جس طرح ایک زندہ زبان کے پڑھائے جانے چاہیئں۔

۴۔ موجودہ نصاب درس نظامی کے ناقدین کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں سب سے زیادہ زور منطق و فلسفہ پر دیا گیا ہے جس کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رائے ہے :۔

" اکثر آں مسائل لا طائل است و بے حاصل "

ان علوم کی تقریباً بیس کتابیں (صغریٰ سے قاضی مبارک تک) داخل درس تھیں۔ حالانکہ تفسیر کی صرف دو کتابیں (جلالین اور بیضاوی) اور بیضاوی بھی صرف سورہ بقرہ۔

مولانا عبدالقیوم صاحب کا ارشاد ہے کہ :۔

" وفاق کے مجوزہ نصاب میں قطبی تک منطق نظر آتی ہے۔ کیا اسے پڑھ لینے کے بعد واقعۃً بھی طالب علم منطق کے مصطلحات سے آشنا ہو جاتا ہے "

وفاق کا مجوزہ نصاب تو سامنے نہیں۔ البتہ درس نظامی میں قطبی تک منطق کی چھ کتابیں داخل درس ہیں۔ اگر کسی فن کی چھ کتابیں پڑھ لینے کے بعد بھی، طالب علم اس فن کی مصطلحات سے واقف نہ ہو سکے تو اسے اس طالب علم کی دماغی صلاحیت کا قصور ہی کہا جائے گا۔

حضرت مولانا صاحب کو غالباً علم ہی نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ نصاب میں منطق کی لازمی کتابوں

میں قطبی کے بعد صرف دو کتابیں سلّم العلوم اور ملاحسن ہی داخل درس ہیں اور یہاں اُسے اس فن کی ضروری واقفیت کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔ البتہ فضیلت کے بعد تکمیل معقولات کے درجہ میں منطق و فلسفہ کی کتابیں۔ حمد اللہ قاضی مبارک، صدرا اور شمس بازغہ داخل ہیں مگر یہ درجہ عملاً معطل ہو کر رہ گیا ہے۔

منطق کے حامیوں کو یہ حقیقت ملحوظ رکھنی چاہیے کہ ہمارے اکابر کبھی اس کی بھرمار کے حق میں نہ رہے۔ مولانا عاشق الٰہی "تذکرۃ الرشید" میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

" اسی طرح منطق و فلسفہ کے ساتھ آپ کا تنفر عداوت کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "میرا جو مرید اور شاگرد فلسفہ کا شغل رکھے گا وہ میرا مرید اور شاگرد نہیں"

آپ فرمایا کرتے تھے کہ" اس منطق و فلسفہ سے تو انگریزی بہتر کہ اس سے دنیا کے نفع کی امید تو ہے"

۵۔ ادب کی کتابوں کے سلسلہ میں بھی افراط و تفریط سے بچ کر ایک معتدل اور متوسط طریق کار اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا کی یہ رائے صحیح ہے کہ" اگر نفحۃ الیمن، مقامات، متنبی اور حماسہ وغیرہ کتابوں کی تحقیق و تدقیق سے پڑھا جائے تو اس کے پڑھنے والے عربی ادب سے محروم نہیں رہ سکتے" بے شک قرآن و حدیث کے معانی و مفاہیم سے واقف ہونے کے لئے عربی قدیم میں مہارت ضروری ہے۔ جو زمانہ نزول قرآن میں رائج تھی۔ جدید عربی پر قدرت اس کے لئے بالکل ضروری نہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جدید عربی کے اسالیب بیان اور اس کی تعبیرات قدیم عربی سے اس قدر مختلف ہیں کہ ان سے شغف اور ممارست کے بعد قرآن و حدیث کی زبان سے بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ البتہ عالم عرب سے ربط و تعلق پیدا کرنے کے لئے جدید زبان کی ضرورت ناقابل انکار ہے۔ اس لئے دونوں کو اپنی اپنی جگہ سیکھنا ضروری ہے۔ لیکن ہمارے قدیم مدارس کا چونکہ مقصد اساسی تعلیم کتاب و سنت ہے اس لئے اولیت بہر حال قدیم کو حاصل رہے گی۔

تبدیلی نصاب کے علم بردار، ادب کی کتابوں میں" مقامات حریری" پر بہت اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کی اپنی کچھ خصوصیات بھی ہیں۔ اس کے داخل نصاب کرنے کا ایک خاص مقصد لغات عرب پر عبور ہے میرے ایک استاذ (جو عربی کے اچھے ادیب تھے) حضرت مولانا اختر شاہ امروہی" فرمایا کرتے تھے کہ مقامات میں "صراح" (لغت عربی کی متداول کتاب) کے تمام لغات آ گئے ہیں۔ اس کو یاد کرنے کے بعد طالب علم عربی ادب کے پورے ذخیرہ پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں اسے حفظ کرایا جاتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کا درس مقامات بہت مشہور تھا۔ وہ ایک ایک لفظ کو پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ اس طرح حل کرتے تھے کہ اختلاف ابواب اور تغیر صلات سے معانی میں

جو فرق پیدا ہوتا ہے وہ اچھی طرح طلبہ کے ذہن نشین ہو جائے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ ہمارے قدیم نصاب میں نظم کا حصہ زیادہ ہے۔ کسی زبان کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے لئے ادب منثور سے زیادہ مدد ملتی ہے۔ ادب منظوم سے نہیں۔

میری رائے میں عالم اسلامی کے نامور ادیب و عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدت مکارمہم کی کتاب مختارات ادب عربی کی ایک اچھی کتاب ہے اس کا اضافہ ضروری ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں بھی یہ کتاب عرصہ تک داخل نصاب رہ چکی ہے۔ میری رائے میں اسے پھر داخل ہونا چاہئے۔ اس میں عہدِ قدیم سے زمانہ حاضر تک کے ادباء و بلغاء کے طرزِ تحریر کے عمدہ نمونے تاریخی ترتیب سے جمع کر دئے گئے ہیں۔

جدید عربی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آج کل اسفار کی سہولتوں اور معاشی و سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے بلادِ عربیہ سے تعلقات وسیع تر ہو گئے ہیں اس لئے جدید عربی کے بولنے اور لکھنے پر قدرت بھی اہم ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں بھی عربی جدید کا مستقل شعبہ عرصہ سے قائم ہے۔ اس کے سربراہ مولانا وحید الزماں کیرانوی نے (جو ایک شامی عالم، عبداللہ المامون کے شاگرد رشید ہیں) چند ہی سال میں دارالعلوم کے اس خلا کو پُر کر دیا ہے اور کئی سو ایسے شاگرد پیدا کرتے ہیں جو بلا تکلف عربی تحریر و تقریر پر قادر ہیں ان میں سے کئی جرائد و مجلات کے ادارتی فرائض انجام دیکر دیارِ عرب سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ آخر میں ایک بات ادب سے اور عرض کر دوں۔ قدیم نصاب کے غالی حامی اکثر فرمایا کرتے ہیں اور ہمارے مولانا عبدالقیوم نے بھی لکھا ہے کہ ہمارے اکابر حضرت علامہ کشمیریؒ حضرت مولانا مدنیؒ، حضرت مولانا عثمانیؒ وغیرہم نے یہی درس نظامی پڑھ کر علمی کمال اور شہرت و عزت کا مقام حاصل کیا بلکہ صاحب نزہتہ النظر نے بھی عربی ادب کا ذوق اسی درس نظامی سے حاصل کیا ہے۔" اور اس سے اس امر پر استدلال کرتے ہیں کہ موجودہ نصاب میں تغیر و اصلاح کی ضرورت نہیں مگر یہ ایک مغالطہ ہے۔ ترمیم نصاب کے حامی اس کا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ درس نظامی ترتیب سے پہلے جو لاکھوں اجلہ علم اور اساتذہ فنون گذرے، جن میں درس نظامی کے مرتب بھی شامل ہیں کیا انہوں نے یہ کمالات حاصل کئے اس میں تغیر و تبدیلی کی ضرورت کیا پیش آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ دماغی و ذہنی صلاحیتوں کے حاملین کے لئے کسی خاص نصاب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک قوی و تندرست جوان، معمولی غذا سے بھی پوری طاقت حاصل کر لیتا ہے مگر ایک کمزور اور لاغر آدمی کے لئے ہلکی زود ہضم اور مقوی غذا کی ضرورت ہوتی ہے مسئلہ اوسط درجہ کے ذہن و دماغ کے لوگوں کا ہے۔ ان کے لئے ضرورت ہے کہ بہتر سے بہتر اور سہل سے سہل نصاب تعلیم تیار کیا جائے۔ اور طریق تعلیم میں بھی سابقہ تجربوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ مؤثر ہو۔ یہ خیالات پراگندہ جو حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی کا مضمون پڑھ کر فوراً دماغ میں آئے بے تکلف اور برجستہ قلم بند کر دئے گئے ہیں۔ اپنی ہیچمدانی کا اعتراف کرتے ہوئے اہل علم سے درخواست ہے کہ لغزشوں سے درگذر فرمایا جائے۔ وما علینا الا البلاغ

محترمہ زہرہ داؤدی

مشاہدات

یہ ہے مغربی تہذیب کی دین

مغربی تہذیب نے محبت و انسانیت کو کس طرح نچوڑ لیا ہے اور قافلۂ انسانیت کو ہوس رانی اور خود غرضی کے کس مقام پر پہنچا دیا ہے اس کا کچھ اندازہ آپ کو ذیل کے مضمون سے ہوگا۔ جو ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے نہ کہ سنی سنائی۔ لیکن مشرق ابھی تک اس کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اور اسے اپنانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ محترمہ زہرہ داؤدی نے خود اپنے مشاہدات لکھے ہیں۔ جسے ہم سالار وکلی حیدر آباد کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (بہ شکریہ تعمیر حیات)

۱۹۷۹ء میں ٹورنٹو میں تھی۔ چونکہ امریکہ اور یورپ کے ملکوں کی سیاحت بارہا ہو چکی تھی۔ اس لئے اس بار نہ تو مجھے مقامات دیکھنے کا شوق تھا بلکہ ان کی صنعتی اور سائنسی ترقی سے دلچسپی تھی۔ ہاں وہاں کے سماجی اور معاشرتی حالات جاننے اور لوگوں کے مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کی آرزو ضرور تھی۔ سو ایک بار تقریباً ایک سال کے قیام کے دوران میری سرگرمیوں کا مرکز وہاں کے ضعیف لوگ اور ان کی دیکھ بھال کے مختلف ادارے ہیں۔

ہمارے اس بیان پر مشکل ہی سے یہاں کے لوگوں کو یقین آئے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کینیڈا کے سب سے بڑے شہر ٹورنٹو میں ہزاروں ضعیف افراد جن میں زیادہ تعداد عمر رسیدہ خواتین کی ہے۔ کامل گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ اس میں ان کی مرضی کو دخل نہیں بلکہ وہاں خاندان کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے۔ جوان اولادوں نے بوڑھے ماں باپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ دنیا والوں نے انہیں ناکارہ سمجھ کر ان سے منہ موڑ لیا ہے۔ اور انہیں یادوں کے ریگزار میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ مہینوں گذر جاتے ہیں اور کسی آشنا چہرہ پر ان کی نظر نہیں پڑتی۔ سوائے ایک فرد کے جو ان کا کھانا یا سودا سلف لانے پر مقرر رہے۔

ان بوڑھوں کے گھروں میں ٹیلیفون ہوتے ہوئے بھی ٹیلیفون کی گھنٹی شاذونادر ہی بجتی ہے۔ کیونکہ نہ تو عزیز و اقارب کو اتنی فرصت ہوتی ہے کہ ٹیلیفون ہی سے ان کی خیریت دریافت کرے اور نہ خود یہ لوگ کسی کو فون کرتے ہیں۔ کہ اب ان کا کوئی غمگسار ہی نہیں ہوتا۔ ریڈیو۔ ٹی وی اور کتابوں کے علاوہ ان کے پاس دل بہلانے

کا ایک مشغلہ اپنے پیاروں کی یاد میں ہے۔ جن کے ساتھ ان کی زندگی کبھی "زندگی" کے مانند گذری تھی۔

میں جس اپارٹمنٹ میں ٹھہری ہوئی تھی۔ اسی منزل پر ساتھ کے اپارٹمنٹ میں ایک بہت ہی ضعیف خاتون تن تنہا زندگی کے دن گن رہی تھی۔ چھڑی کی مدد سے وہ اپارٹمنٹ میں ہی اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے چل پھر لیتی تھی۔ کھانے کا سامان اور ضرورت کی دیگر چیزیں دوکان سے فون کر کے منگا لیتی۔ اب چونکہ اس کی ذات سے کسی کو فائدہ پہنچنے کی امید نہ تھی۔ اس لئے اولاد اور عزیز و اقارب سبھی اس سے کنارہ کش ہو گئے۔ میں اکثر اس کے یہاں جاتی۔ یہ خاصی پڑھی لکھی خاتون تھی۔ اور نہایت اچھی کتابوں کا ذخیرہ اس کے پاس موجود تھا۔ وہ مجھے پڑھنے کے لئے کتابیں بڑے شوق بلکہ اصرار کر کے دیتی۔ تاکہ دوبارہ میں کم از کم کتابیں واپس کرنے کی غرض سے ہی اس کے پاس جاؤں اور میں اس ٹوہ میں تھی کہ ذرا بے تکلفی بڑھے تو اس سے اس کے حالات زندگی اور تن تنہا رہنے کے اسباب معلوم کروں۔

بڑی بی کو یہ جان کر بے حد حیرت ہوئی کہ ہم مشرقی لوگوں نے اب تک خاندان کے ادارے کو برقرار رکھا ہے اور یہ کہ میں اپنے بیٹے اور بہو کے ساتھ یہاں ٹھہری ہوئی ہوں اور دونوں ہی نہ صرف میری عزت کرتے ہیں بلکہ بے پناہ محبت بھی کرتے ہیں۔ خود مختار ہوتے ہوئے بھی وہ مجھے اپنا سرپرست مانتے ہیں۔

وہ بے چاری تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ کسی بھی عمر اور کسی بھی حالت میں بیٹا بہو ماں باپ کو اپنے خاندان کے افراد سمجھ کر اپنے گھر میں جگہ دے سکتے ہیں۔ یا اپنے درمیان ان کی موجودگی برداشت کر سکتے ہیں۔ اس کے کئی بیٹے بیٹیاں ہیں سب کے سب ماں کو بھول کر اپنی الگ دنیا بسائے بیٹھے تھے بہت ہوا تو کسی تہوار جیسے کرسمس کے موقعہ پر رسماً آکر مل لئے یا تحفالف دے دئے۔

ملک سے باہر جا کر میرا سب سے زیادہ کربناک مشاہدہ یہ تھا کہ وہاں کا عام انسان روزمرہ کی زندگی میں کبھی موسم کے اتار چڑھاؤ کا رونا روتا ہے کبھی صحت کی خرابی کا گلہ کرتا ہے۔ کبھی بڑھتی ہوئی بے روزگاری کا راگ الاپتا ہے کبھی روز افزوں قیمتوں کی گرانی سے بے بسی کا اظہار کرتا ہے اور کبھی کام کی زیادتی اور ناکافی اجرت ملنے پر اس کے غم کا لاوا پھوٹ پڑتا ہے۔ لیکن اس کا دھیان انسانوں کے اس دکھی انبوہ کی جانب شاذ و نادر ہی جاتا ہے جنہیں دنیا بھلا بیٹھی ہے جنہیں ان کی اپنی پیٹ کی اولادوں نے فراموش کر دیا ہے۔ اور جو اپنی جوانی کا سنہرا دور ان لوگوں کو پروان چڑھانے میں صرف کر کے تہی دامن ہو چکے ہیں جو آج جوان ہیں توانا ہیں اور جن کے بازوؤں میں دم خم ہے۔ یہ ان دکھی انسانوں کا انبوہ ہے جو اب بوڑھے ہو کر کمزور اور لاچار ہو گئے ہیں اور جن کے جار بچے انہیں بھول کر اپنی جنت ارضی میں مگن ہیں۔

ٹورنٹو میں ایسی ہی ایک اور ضعیف خاتون مسز مارگریٹ سے ملاقات ہوئی۔ ملاقات کیا ہوتی میں تو اس

کی تلاش میں رہتی تھی کہ ایسے لوگوں سے میل جول بڑھا کر یہ پتہ کروں کہ اپنی جوانی میں متحدہ خاندان کو ختم کر کے بڑھاپے میں ان لوگوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ زیادہ دوستی بھی نہ ہوئی تھی کہ چند ہی ملاقاتوں میں اپنا دل کھول کر میرے سامنے رکھ دیا۔ ہمدردی کا مرہم تو ذرا سا بھایا بھی درد کی لہروں کو بہا کرلے جاتا ہے۔ جو کچھ ان سے سنا من وعن بیان کر رہی ہوں۔ سوائے اس کے کہ چونکہ گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی اسے میں نے اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

مسز مارگریٹ نے بتایا کہ ان کے بچے ابھی چھوٹے ہی تھے کہ شوہر کا انتقال ہو گیا۔ وہاں شوہر کے انتقال کے بعد عورتوں کے لئے ہمیشہ کی بیوگی اپنانے کا رواج نہیں ہے۔ مگر یہ معاملہ تو رسم و رواج سے زیادہ دل کا ہے۔ مسز مارگریٹ کو اپنے شوہر سے اتنی محبت اور وابستگی تھی کہ وہ کسی دوسرے کو ان کی جگہ دینے پر خود کو آمادہ نہ کر سکیں۔ پھر ان کے سامنے اپنی زندگی کو رنگین اور خوش گوار بنانے سے زیادہ اپنے ننھے بچوں کا مستقبل تھا۔ سوتیلا باپ بھلا دوسرے مرد کی اولاد کو کیوں اپنانے لگا۔

بہر حال مسز مارگریٹ نے دوسری شادی نہ کی۔ بلکہ بچوں کو پروان چڑھانے ان کی اچھی تعلیم و تربیت میں اپنی جوانی اور اس کی ساری توانائی صرف کر دی۔ اب وہ بلڈ پریشر، دل کی مریض اور اعصابی تناؤ کا شکار ہیں۔ بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ شادی شدہ اولاد کو ماں کے گھر آ کر ملاقات کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے۔ وہ بہت مشغول رہتے ہیں۔ انہیں اپنی زندگی کی ناؤ جو کھینچنی ہے۔ ماں تو ان کی ناؤ کو پار لگا کر خود ڈوب چلی۔

مسز مارگریٹ کے بچوں کو یہ بھی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ عمر رسیدہ ماں اب تو کمزور اور بے سہارا ہو چکی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آمنا سامنا ہونے پر ماں کا دکھ دیکھتے ہی ان کا دل پسیج جائے۔ اور ضمیر شور مچانا شروع کر دے اس بے برگ و بار شجر سے اب چھاؤں ملنے کی توامید نہیں۔ پھر کیوں اس کے پیچھے اپنے وقت اور اپنے جذبات کا زیاں کیا جائے۔ اور ماں بے چاری مسز مارگریٹ کا دل یہ سب محسوس کر کے ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے۔ کاش یہ دل کانچ کا بنا ہوتا کہ ایک ہی بار کرچی کرچی ہو کر بکھر جاتا۔ پر یہ ننھا سا دھڑکتا ہوا گوشت کا لوتھڑا ٹوٹتا بھی ہے تو پھیل کر اور زیادہ دکھ مایوسیاں اور محرومیاں سمیٹنے کے لئے۔

مسز مارگریٹ کو اپنی زندگی کے اس دور میں اپنے بچوں کی ہمدردی اور تحفظ کی ضرورت ہے۔ جس کی انہوں نے ساری جوانی آس لگائے رکھی تھی۔ کبھی کبھی وہ کہتی ہیں لیکن اپنے آپ سے کہتی ہیں کہ اولادوں کو یہ سننے کی تاب اور موقع کہاں کہ میرے بچو میں اب بھی تمہاری ماں ہوں۔ مجھے اس طرح نظر انداز نہ کرو۔ مجھے اس طرح نہ بھول جاؤ۔ لیکن اولاد اگر کبھی بھولے بھٹکے ملتی بھی ہے تو طنز کے تیر و نشتر کے علاوہ اس کے پاس دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

مسز مارگریٹ بڑی باہمت اور عظیم خاتون ہیں ان کا ناطہ زندگی کی خوشیوں سے ٹوٹ گیا ہے۔ وہ اب بھی جینے کی جد و جہد کئے جا رہی ہیں۔ انہیں اپنے بچوں کے جذبات اور خیالات کا علم ہے۔ لیکن ان میں تحفظ نام کی کوئی چیز نہیں

انہیں اپنے آپ پر اپنی ذات پر آج بھی بھروسہ ہے۔ انہیں نہ زندہ رہنے سے ڈر لگتا ہے نہ وہ موت سے خائف ہیں۔ وہ مثبت اور حقیقت پسندانہ انداز میں سوچتی ہیں۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے میں نے کتنی طویل زندگی پائی ہے اور موت کب آئے گی" اور مرتے دم تک گردش ایام کا مقابلہ کرنے کے لئے مسز مارگریٹ ذہنی طور پر بالکل تیار ہیں لیکن اپنے سارے عزم اور قوت ارادی کے باوجود مسز مارگریٹ کو ایک خوف ہمیشہ گھیرے رہتا ہے، یہ ہے انجانے مستقبل کا خوف۔ خدا جانے آئندہ ان کی صحت کیسی رہے گی۔ اور تب کیا ہو گا۔ انہیں بوڑھوں کے نرسنگ ہوم میں زندگی کے ایام گذارنے سے سخت نفرت ہے۔

مسز مارگریٹ نے اپنی زندگی کے کٹھن سے کٹھن دور میں بھی دوسروں کو سہارا دیا ہے۔ لیکن خود کبھی سہارا نہیں لیا زندگی کے سارے مسائل، سارے فرائض اپنی کوششوں سے انجام دئیے۔ لیکن آنے والے کل اب ان کے اعصاب پر سوار ہے۔ کہیں بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ وہ جسمانی طور پر ناکارہ ہو کر جینے پر مجبور نہ ہو جائے۔

۱۹۸۰ء کے نومبر میں ایک لڑکی آئرین سے ملاقات ہوئی اس کے والد بہت زیادہ عمر کے تو نہ تھے مگر پے در پے بیماریوں کی وجہ سے معذور ہو گئے تھے۔ لہٰذا انہیں نرسنگ ہوم میں داخل کر دیا گیا۔ جیسا کہ آئرین نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے باپ سے بے حد محبت کرتی تھی۔ لیکن چونکہ وہاں خاندانی ادارہ نام کی کوئی شئے اور بزرگوں کی خدمت نام کا کوئی جذبہ باقی نہیں رہ گیا۔ اس لیے اسے مجبوراً اپنے باپ کو نرسنگ ہوم میں داخل کرانا پڑا۔ آئرین کی ماں بھی زندہ ہے۔ اور تین بہن بھائی بھی ہیں کہنے کو سبھی اپنے باپ کو چاہتے ہیں مگر اتنا وقت کس کے پاس ہے۔ کہ بیمار باپ کی تیمارداری کرے۔ آئرین نے میرا ملامت آمیز رویہ دیکھ کر بتایا کہ باپ کو اس طرح نرسنگ ہوم میں پھینک دینے پر اسے احساس ندامت اور احساس جرم دونوں ہیں کہ اس باپ نے اپنے بچوں کے لئے بہت قربانیاں دی ہیں اور انہیں ہر طرح کا عیش و آرام دیا ہے۔ مگر مجبوری ہے۔

آرام گاہیں یا اذیت گاہیں دیکھ بھال کے اداروں میں جو بوڑھے رہتے ہیں انہیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ زندہ انسان کو قبر میں اتار دیا گیا ہے۔ اور مٹی ڈالنے کے لئے یا تابوت کا ڈھکنا بند کرنے کے لئے ان کی سانس رکنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ یہ نرسنگ ہوم ضعیفوں کے لئے آرام گاہ سے زیادہ اذیت گاہیں ہیں ایک سماجی کارکن نے مجھے بتایا کہ نرسنگ ہوم میں زندہ انسان کو اس کی شخصیت کو اس کے وجود کے احساس سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اچھے بھلے ہوشمند افراد یہاں آ کر مخبوط الحواس ہو جاتے ہیں اور یہ بات تو اب مغرب والے بھی محسوس کرنے لگے ہیں کہ کوئی بھی سماجی یا سرکاری ادارہ گھر کی جگہ نہیں لے سکتا۔ گھر جس میں اپنے پیاروں کے ساتھ رہتے ہیں۔ بڑھاپے میں انسان کو خریدی ہوئی دیکھ بھال سے زیادہ محبت بھری توجہ کی ضرورت ہے ایسے گھر اور ایسے عزیزوں کے لئے جی ترستا ہے جو انہیں محبت اور شفقت سے رکھ سکیں۔

ایک سماجی کارکن سے باتیں ہوئیں تو اس نے بتایا کہ جیتے جاگتے لوگوں کو صرف بڑھاپے کی پاداش میں ان اداروں میں چھوڑنا انتہائی غیر انسانی فعل ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ ضعیفی کے جرم میں انہیں گولیوں سے اڑا دیا جائے۔

ایک اور سماجی کارکن کا کہنا تھا کہ جتنے لوگ ان بوڑھوں کے نرسنگ ہوم میں رکھے جاتے ہیں ان میں زیادہ تعداد ایسے افراد کی ہوتی ہے جو ذہنی اور دماغی صلاحیت میں کسی طرح کم تر نہیں ہوتے۔ صرف یہ کہ وہ جسمانی توانائی سے محروم ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں آنے کے کچھ ہی دنوں بعد ماؤف ہو جاتے ہیں۔

یہ حالات دیکھ کر مغرب میں بھی اب لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کہ بوڑھے لوگوں کے لئے گھریلو ماحول کی سہولتیں کیسے مہیا کی جائیں۔ اور ہم جو مشرق کے متحدہ خاندان کی پروردہ ہوں بوڑھوں کی حالت زار دیکھ کر کانپ اٹھی اپنا حشر کیا ہو گا اللہ جانے۔ کہیں ضعیفی کی عمر آنے تک ہمارے ملک میں بھی بوڑھوں کے نرسنگ ہوم کھل گئے تب۔

یہ دعا تو ہم لوگ اپنے ملک میں بھی کرتے ہیں کہ یا اللہ تندرستی اور سہاگ کے ساتھ اٹھانا۔ لیکن صرف ضعیف ہونے کی پاداش میں ابھی ہمارے یہاں کے بزرگ گھر بدر نہیں کئے جاتے۔ بیٹا، بہو، پوتے پوتیوں سے اب بھی بوڑھوں کا گھر اور دل دونوں گلزار رہتے ہیں۔ مگر کل کی کسے خبر کہ اپنا ملک ترقی پذیر ملک ہے۔ اور اپنے رہن سہن اور طرز معاشرت کو اپنا کر ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لگانے کی کوشش کر رہا ہے ✢

ٹینڈر نوٹس

سربمہر ٹینڈر آئیٹم ریٹ کی بنیاد پر پارہ چنار کے مقام پر مندرجہ ذیل عمارات کی تعمیر کے لئے زیر دستخطی کو ان ٹھیکیداروں سے مطلوب ہیں جو کہ کمیونیکیشن اینڈ ورکس ڈیپارٹمنٹ، ایم۔ای۔ایس اور پاک پی۔ ڈبلیو۔ ڈی وغیرہ محکمہ جات کے منظور شدہ ہوں۔ ٹھیکیداروں نے سال رواں کی رجسٹریشن کی تجدید لازمی طور پر کی ہو۔ مطلوبہ ٹینڈر زیر دستخطی کے دفتر میں مورخہ ۱۵ ؍ اکتوبر ۱۹۸۴ء بوقت ۱۰ بجے وصول کئے جائیں گے۔ اور اسی تاریخ کو اسی وقت کھولے جائیں گے۔ ٹینڈر کے کاغذات شرائط۔ شرائط وقواعد اور کام کی دیگر تفصیل زیر دستخطی کے دفتر میں دفتری اوقات کار کے دوران معلوم کی جا سکتی ہیں۔

	کام کی نوعیت	تخمینہ رقم	زر بیعانہ	مدت تکمیل
I۔	پارہ چنار کے مقام پر اسسٹنٹ ڈیولپمنٹ آفیسر سریکلچر سپروائزروں کے لئے کوارٹروں کی تعمیر اور ایک نموزوں کے لئے سٹور کا کمرہ	تین لاکھ پچاس ہزار	سات ہزار	چار ماہ

دیگر شرائط اور ضوابط

۱۔ زر بیعانہ کال ڈپازٹ کی صورت میں زیر دستخطی کے نام ٹینڈر کے ساتھ منسلک ہو۔

۲۔ ٹینڈر کھولنے کی تاریخ پر کوئی ٹینڈر جاری نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ ٹینڈر میں ردوبدل کی صورت میں ٹینڈر منسوخ تصور کیا جائے گا۔

۴۔ آفیسر مجاز کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ کسی بھی ٹینڈر کو بلا وجہ بتائے منظور یا منسوخ کر دے

اسسٹنٹ ڈائرکٹر سریکلچر
دفتر چیف کنزرویٹر فارسٹ
شامی روڈ۔ پشاور

اسسٹنٹ ڈائرکٹر سریکلچر
فرنٹیر ریجن پشاور
شامی روڈ۔ پشاور

INF (P) 2263

از حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب

علامہ صاحب حق صاحب زروبوی

میرے والد بزرگوار حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم صوبہ سرحد کے مشاہیر علماء سے ہیں۔ سرحد، بلوچستان اور افغانستان کے اکثر علماء مولانا مرحوم کے بالذات یا بالواسطہ شاگرد تھے۔ ان کے حالات و سوانح مجملاً قلم بند کئے جاتے ہیں۔

نسب | حضرت مولانا مرحوم پٹھان قوم کے علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ طبیب حاذق مولانا امان اللہ صاحب فاضل مدرسہ عالیہ رامپور کے فرزند ارجمند تھے۔ مولانا امان اللہ صاحب ان سعادت مند علماء سے ہیں جو حضرت سیدین شہیدین اور ان کے رفقاء کے زبردست حامی اور معاون رہے ہیں شہدائے بالاکوٹ سے ان کے تعلق وحمایت کی روایات اب بھی زروبی کے معمر باشندے بیان کرتے ہیں۔

مولانا امان اللہ صاحب، مولانا محمد میر صاحب کے اور وہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے فرزند ارجمند تھے۔ ان کے اجداد نے افغانستان سے آکر اس سرزمین پر مستقل سکونت اختیار کر لی اور اعلائے کلمۃ اللہ، غلبہ دین اور تبلیغ دین میں مصروف رہے۔

ولادت اور وفات | حضرت مولانا مرحوم ۱۳۰۵ھ میں بمقام زروبی (تحصیل صوابی ضلع مردان) پیدا ہوئے جیساکہ مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد زاہد صاحب کی یہی تحقیق ہے۔

۳ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ بشب جمعرات بوجہ وجع القلب کے ہفتہ بھر بیمار رہ کر اسی گاؤں میں وفات پائی۔ نماز ظہر کے بعد آبائی قبرستان میں تدفین ہوئی۔

حضرت مولانا محمد زاہد صاحب نے اس سن کا اغفرلی بحبیبک کے دعائیہ کلمات سے استخراج کیا ہے۔

تحصیل علم | حضرت مولانا مرحوم نے علم تفسیر، علم حدیث اور اصول حدیث کے بغیر علوم وفنون کی جملہ کتابیں صوبہ سرحد کے مشاہیر علماء حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب (پدر مولانا حمد اللہ صاحب ڈاگئی) اور ان کے بھائی حضرت مولانا محمد صدیق صاحب سے پڑھیں۔ دونوں حضرات کا شمار صوبہ سرحد کے چوٹی کے علماء سے

ہوتا ہے۔ اپنے تلامذہ اور سرحد کے علمی حلقوں میں دونوں بھائی شیخین کے لقب سے معروف تھے۔ حضرت مولانا مرحوم تفسیر و حدیث کی تحصیل سے قبل اپنے آبائی گاؤں زروبی میں مختلف علوم و فنون کی تدریس شروع کر دی۔ سات سال تک یہی اشتغال رہا۔ ان کے گرد طلبہ کا ایک بڑا حلقہ جمع ہو گیا۔ اپنے علاقہ بلکہ دور دراز تک کے علاقوں تک انہیں غیر معمولی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ اسی دوران انہیں علم تفسیر و علم حدیث کی تحصیل کا داعیہ غالب ہوا۔ تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنی پرانی درسگاہ ڈاگئی میں اپنے مہربان اساتذہ حضرات شیخین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کتب تفسیر، کتب حدیث کے علاوہ اصول حدیث کی ایک کتاب بھی پڑھی حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب نے اپنے لائق اور ہونہار شاگرد کو تحریری اجازت نامہ سے نوازا جس کے بعض الفاظ درج ذیل ہیں۔

فقرء جميع الكتب من المنطق والطبعي و الرياضي بفنونها و للمعاني والبيان والفقه والاصول و العقائد حتى فرغ من تحصيل العلوم المروجه قرأة وسماعا على الكمل وجهٍ واتم وجهٍ واكمل تفصيل ثم ارتحل الى بلدة اقامته (زروبی) واشتغل بتدريس العلوم كلها زماناً طويلاً حتى فاق على اقرانه ومعاصريه افاض الله سبحانه وتعالى عليه سجال التوفيق واوصله الى مدارج التحقيق فنزل من ذروة اوج التعليم الى حضيض التعلم۔ واشتغل بتحصيل فن التفسير و الحديث و فرغ من الصحاح الستة و شمائل الترمذي و البيضاوي والجلالين

حضرت (مولانا حبیب اللہ) نے منطق، طبیعات اور ریاضی کے تمام فنون کے علاوہ معانی، بیان، فقہ، اصول اور عقائد کی تمام درسی کتابیں پڑھیں تمام مروجہ علوم کی تحصیل، نہایت تفصیل سے کی اور قرأۃ و سماعاً پوری توجہ، انہماک اور لگن سے ان میں کمال حاصل کیا۔

بعد ازاں اپنے آبائی گاؤں زروبی منتقل ہوئے اور ایک طویل زمانہ تک ہمہ نوع علوم و فنون کی تدریس میں مشغول رہے۔

اور اپنے ہم عصر علما میں ممتاز رہے۔ خدا کی توفیق ان کی رفیق ہوئی۔ اور تحقیق و تدقیق اعلیٰ مدارج تک پہنچے اس قدر بلند مقام پر پہنچ کر بھی حصول تعلیم کا ذوق غالب رہا۔ تعلیم و تدریس کے مقام بلند کو چھوڑ کر پھر سے تحصیل علم کی راہ اختیار کی اور باقاعدہ طور تفسیر و حدیث میں صحاح ستہ، شمائل ترمذی، تفسیر

وکتاب فی فن اصول الحدیث قراءۃ
وسماعا وقد اعطاہ اللہ طبعاً سلیما
وذھناً مستقیماً واستعداداً تاما و
قلباً خاشعاً
ثم طلب الاجازۃ عنی فاجزت لہ
بتدریس ھذہ الکتب بل الفنون کلّھا
وحصلت الاجازۃ الفنین الشریفین
من المدرسۃ العالیہ الدیوبندیہ
واجازۃ سائر الفنون من المدرسۃ العالیہ
الرامفوریۃ واوصیہ ان یتقی اللہ
فی السر والعلانیہ ویتبع السنۃ
السنیۃ فی المنشط والمکرہ ویجتنب
البدعات والمحدثات وان لا ینسانی
فی دعواتہ الصالحہ

میں بیضاوی، جلالین کے علاوہ اصول حدیث میں بھی ایک
اہم کتاب پڑھیں۔ اور سماعاً وقراءۃً کمال حاصل کیا
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطری طور پر طبع سلیم۔
ذہن مستقیم، استعداد تام اور دلِ دردمند سے نوازا تھا
تحصیل وتعلیم کے بعد انہوں نے مجھ سے اجازت
تدریس طلب کی۔ تو میں انہیں مذکورہ کتب کے علاوہ
جملہ علوم وفنون کی تدریس کی اجازت دیتا ہوں جب
کہ مجھے تفسیر وحدیث کی اجازت دارالعلوم دیوبند
اور فنون کی اجازت دارالعلوم رامپور سے حاصل ہوئی
اور میں انہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ خفیۃً
وعلانیۃ اپنے ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہیں۔ نشاط
وانبساط اور رنج وغم ہر دو حالتوں میں سنت رسول
کی اتباع اختیار کریں۔ اور بدعات سے بچے رہیں اپنی
دعاؤں میں امید ہے کہ ہمیں نہیں بھلا ئیے گا۔

ابتلاء وآزمائش | لکل شیئ آفۃ وللعلم آفات کے پیش نظر حضرت مولانا مرحوم کو بھی تحصیل علم کے زمانہ میں مصائب وآلام اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مخالفین وحاسدین نے آپ کے تحصیل علم میں رکاوٹیں پیدا کیں آپ کی جاہ ومنزلت اور حلقۂ تلامذہ حسد کا باعث بنا۔ مقامی مخالفین کہا کرتے تھے کہ اگر یہ عالم بن گیا تو پھر ہمیں اس کے اعزاز واکرام میں تواضع وانکساری اختیار کرنا پڑے گی جو ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ مگر اللہ نے آپ کو علم سے نوازا۔ اور عزت واکرام کے اعلیٰ درجات پر فائز کیا۔

تدریسی خدمات | تحصیل علم کے دوران اور پھر فراغت کے بعد حضرت مولانا مرحوم تدریس میں مشغول رہے تمام زندگی یہی مشغلہ رہا بلکہ انہوں نے خود کو عربی علوم وفنون کی تدریس کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ تمام مروجہ علوم وفنون انتہائی ذوق وشوق سے پڑھاتے رہے۔ بیان دلنشین اور عام فہم تھا۔ ضرب الامثال اور برمحل لطائف سے حلقۂ درس کشت زعفران بن جاتا تھا۔

فعل معنوی اور ایک دلچسپ لطیفہ | حضرت مولانا مرحوم شرح ملا جامی کے درس کے دوران جب فعل معنوی کی بحث کرتے تو فرماتے کہ " فعل معنوی اس فعل کو کہتے ہیں جو نہ ملفوظ ہو اور نہ مقدر ہو اور نہ ہی کلام کا معنی اس پر موقوف ہو ۔ صرف صحت قاعدہ کے لئے اس کا اعتبار کیا جاتا ہو ۔ فرماتے ۔ فعل معنوی کی مثال اس قاضی کے اونٹ کی سی ہے جس کے پاس تین شرکا سترہ اونٹ لائے ایک (مثلاً زید) نے کہا ان میں میرا حصہ نصف ½ ہے ۔ دوسرے (مثلاً عمرو) نے کہا اس میں میرا ⅓ حصہ ہے ۔ تیسرے (مثلاً بکر) نے کہا کہ ان میں میرا نواں 1/9 حصہ ہے ۔ تینوں شرکار کا یہ تقاضا تھا کہ انہیں بلا شرکت غیرے سالم اونٹ دیئے جائیں تو قاضی نے گھر سے اپنا اونٹ طلب کیا اور شرکار سے کہا کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ میں سترہ کی بجائے اٹھارہ اونٹ تمہارے درمیان تقسیم کر دوں ۔ سب نے کہا بڑی مہربانی ہو گا ۔ قاضی صاحب نے پہلے سے کہا تم اٹھارہ کا نصف ۹ اونٹ لے لو ۔ عمر سے کہا تم اٹھارہ کا ثلث چھ اونٹ لے لو ۔ بکر سے کہا تم اٹھارہ کا نواں حصہ دو اونٹ لے لو ۔ تینوں پر سترہ اونٹ تقسیم فرمائے تو بلا شرکت غیرے سب کو سالم سالم پہنچے اور اپنا اونٹ واپس گھر بھیج دیا ۔

حضرت مولانا مرحوم ایک کامیاب مدرس محقق اور فیض رساں عالم دین تھے ۔ جن طلبہ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے ان کی اکثریت کامیاب مدرسین اور خادمین دین کی ہے ۔ مرحوم کو علاقہ میں بڑا مقام حاصل ہوا — محسود الزمان اور مغبوط الاقران ٹھہرے ۔ آپ کے زمانہ میں خود زروبی کو علمی مرکز اور اھلِ علم کا شہر ہونے کا شرف حاصل تھا ۔ مگر طالبان علوم نبوت صرف آپ سے کسب فیض کے لئے دور دراز علاقوں سے رختِ سفر باندھ کر حاضر ہوتے تھے ۔ اور طلبہ کی اتنی کثرت تھی کہ طلبہ کو ایک بار سبق پڑھ لینے کے بعد دوسرے تیسرے روز دوبارہ نیا سبق لینے کی باری آتی تھی ۔ آخری عمر میں حضرت مولانا مرحوم مکھڈ اور مردان کے مدارس میں صدر مدرس بھی رہے ۔

تصنیفی خدمات | حضرت مولانا مرحوم نے قرآن مجید کا پشتو زبان میں سلیس ترجمہ لکھا ہے اور خیالی پر ایک دقیق شرح لکھی ہے ۔ ہدایہ ، جلالین اور بیضاوی شریف پر تعلیقات لکھی ہیں ۔ جو تمام کے تمام غیر مطبوعہ ہیں ۔ اور مولانا محمد زاہد صاحب کے پاس محفوظ ہیں ۔ ان میں بعض رسائل محمد زاہد صاحب نے طبع کرائے ہیں ۔

لطیفہ ۔ حضرت مولانا مرحوم مکھڈ میں دریائے سندھ کے کنارے لیٹے ہوئے تھے تو ہوا نے مولانا مرحوم کے مخطوطات سے ایک ورق دریا میں ڈبو دیا ۔ مولانا مرحوم بہت مغموم ہوئے اور کنارے کے قریب

دریا میں تلاش شروع کی منت بھی مانی۔ اللہ پاک نے تیسرے روز ورق دریا سے نکال دیا۔ دو تین سطروں کے علاوہ اس کا ایک حرف بھی نہیں مٹا تھا۔

تلامذہ | یوں تو مولانا مرحوم سے استفادہ کرنے والے تلامذہ کی تعداد ان گنت ہے آپ کا حلقہ تدریس وسیع ہے۔ یہاں بعض نامور اور ہونہار تلامذہ کے اسماء درج کر دئے جاتے ہیں جو قریبی حلقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مولانا محمد زاہد صاحب ابو الوقار فاضل غورغشتی۔ موصوف حضرت مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں دائم المریض ہونے کے باوجود اکوڑہ، پشاور، اٹک، میانوالی اور دھمتوڑ میں مدرس رہ چکے ہیں اور متعدد کتب کے مصنف ہیں اور اب فالج کی وجہ سے صاحب فراش ہیں۔

(مفتی) محمد فرید جو کہ حالاً دار العلوم حقانیہ میں مفتی اور مدرس ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے بخاری جلد اول۔ ترمذی جلد اول اور ابو داؤد جلد اول کی تدریس ان کے حوالہ ہے افتاء کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ سلسلۂ تصنیف بھی جاری ہے۔ کئی ایک اہم کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب مرحوم صدر مدرس دار العلوم حقانیہ۔ شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن صاحب مینوی۔ حضرت مولانا عبد المنان صاحب مینوی۔ حضرت مولانا شفیع اللہ مرحوم بام خیلی۔ حضرت مولانا عبد الغنی صاحب صدر مدرس خیر المدارس ملتان۔ حضرت مولانا حاجی عزیز اللہ شوہ۔ حضرت مولانا قاضی امان اللہ صاحب ڈاگئی مولانا رحیم اللہ صاحب شوہ۔ حضرت مولانا حاجی عزیز اللہ صاحب شوہ۔ مولانا فضل مبین صاحب مائیری شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا حمد اللہ صاحب ڈاگئی۔ حضرت مولانا مصلح الدین صاحب مردان جنہوں نے مولانا مرحوم سے دورۂ حدیث پڑھا۔ شیخ القرآن مولانا عبد الہادی شاہ منصور۔ حضرت مولانا فضل الٰہی صاحب استاد حدیث دار العلوم حقانیہ۔ حضرت مولانا شمس الہادی صاحب۔

عادات وعبادات | حضرت مولانا مرحوم کثیر الصلوٰۃ اور کثیر الصیام تھے۔ ان کے دن رات کا اکثر حصہ تدریس، نوافل اور مطالعہ میں گذرتا۔ طلبہ کی کثرت کی وجہ سے فجر کی اذان سے قبل اور بعد بھی تدریس کرتے تھے۔ حافظہ کی یہ حالت تھی کہ ہمیشہ حافظہ کی مدد سے پڑھاتے تھے کتاب نہیں دیکھتے تھے۔ نماز اور تدریس اور مطالعہ کے اوقات میں استغراق غالب رہتا تھا۔ بسا اوقات دردے کا شدید جھٹکا لگتا۔ بینڈ باجوں والی برات گذرتی اور شدید گرمی میں دھوپ کی تپش کے باوجود انہیں خبر تک نہ ہوتی۔

لطیفہ ۸۔ والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ ایک دفعہ نماز عشاء کے بعد مطالعہ کے دوران مولانا مرحوم کی پگڑی کو چراغ سے آگ لگ گئی۔ اتفاق سے میری آنکھ کھل گئی، دیکھا کہ ان کے سر پہ آگ جل رہی ہے اور وہ بے خبر ہیں۔ میں نے عجلت سے پگڑی ان کے سر سے اتاری تو مولانا مرحوم نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کی پگڑی کو آگ لگ گئی ہے۔ تو حضرت مولانا نے فرمایا۔ اچھا یہ بات ہے میں دل میں سوچ رہا تھا کہ میرا سر کیوں گرم ہو رہا ہے۔ والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ پگڑی کا صرف ایک پیچ باقی تھا باقی ساری پگڑی آگ کی نذر ہو گئی تھی۔

سادگی کی یہ حالت تھی کہ کھدر یا مارکین کی سادہ قمیص اور نصف الساق تک شلوار اور ٹوٹے پھوٹے جوتے پہنتے اور طبعی طور پر انہیں پسند کرتے۔ تدریس کے علاوہ دیگر اوقات میں کوئی اجنبی شخص انہیں دیکھتا تو سوائے عالمانہ منوّر چہرے کے دیگر نشان ان میں نہ پاتا۔ مطالعہ کتب، درس و تدریس اور علمی انہماک اس قدر غالب تھا کہ عام مروّج اشیاء کے استعمال تک سے بے خبر رہے۔ مولانا مرحوم کو آخر عمر تک لالٹین کا روشن کرنا اور اس کی بتی کو کم یا زیادہ کرنا نہیں جانتے تھے۔ تدریسی اور علمی اشغال رکھنے والوں کی زندگی میں اس نوع کے واقعات سے تاریخ کے اوراق معمور ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم کی زندگی زاہدانہ اور فقیرانہ تھی۔ اور نہایت مستغنی تھے۔

والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ ایک دفعہ میں نے ان سے کہا کہ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کسی سے کچھ روپے قرض لے آئیں۔ تو حضرت نے جواب دیا کہ میں نا اہل لوگوں کے سامنے اپنا احتیاج ظاہر نہیں کرتا ایسا نہ ہو کہ قرضہ ہی نہ ملے۔ اور اہل علم کے ساتھ حقارت آمیز معاملہ میں بھی مبتلا ہوئے۔ مولانا مرحوم بہت کم گو تھے سوائے اوقات تدریس کے بہت کم بولتے تھے۔ اکثر خاموش ہی رہتے۔

صبر اور جفاکشی ان کا شیوہ تھا۔ بیماری کی حالت میں بھی تدریس کیا کرتے۔ بیماری کی شدت کے جب بے ہوش ہو جاتے تو تدریس بند ہو جاتی۔ مرض وفات میں بھی یہی کیفیت تھی۔ کہ اپنے مکان میں ہدایہ اخیرین اور شرح وقایہ اخیرین پڑھانے کے دوران ذیبح القلب نے شدت اختیار کی۔ اور بے ہوش ہو گئے اور تدریس بند ہو گئی۔

حضرت مولانا مرحوم خلاف شرع امور کی سختی سے تردید کرتے تھے۔ حضرت مولانا مرحوم کے والد حضرت مولانا عبد الغفور صاحب مشہور بہ صاحب سوات کے تعلق کی وجہ سے نماز قضا کر کا

پڑھتے تھے اور جب حضرت مولانا مرحوم فارغ ہو کر زروبی آئے تو اس نماز کو بند کر دیا۔ عوام نے اعتراض کیا کہ کیا آپ اپنے والد سے بڑے عالم ہیں کہ وہ اس نماز کو پڑھتے تھے اور آپ نے بند کر دی۔ تو حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے میرے عمل کے متعلق پوچھے گا کہ تم نے اس پر عمل کیا ہے یا نہیں اور میرے والد صاحب کے متعلق مجھ سے نہ پوچھے گا۔

والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ عوام سبز کپڑے پہننے کو منحوس خیال کرتے تھے۔ میں نے اپنی بچی کو سبز قمیص پہنائی تو اتفاق سے اس کی آنکھوں میں آشوب پیدا ہو گیا میں نے سبز قمیص بچی سے اتروا دی۔ جب مولانا مرحوم کو اس بات کی خبر ہوئی تو سختی سے فرمایا یہ قمیص اس بچی کو ضرور پہناؤ اور شیطانی توہمات دل سے نکال دو۔ والدہ مرحومہ مزید فرماتی ہیں کہ جب مولانا کا بیٹا محمد رشید فوت ہوا تو میں نے حسب رواج رسمی خیرات دینی شروع کی تو مولانا مرحوم کو جب خبر ہوئی تو فرمایا کہ تم نے شب برات اور یوم عید منانی شروع کر دی ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے اہل محلہ کا بیان ہے کہ جب فلاں مولوی نے جو مرزائیوں کا مبلغ تھا۔ مرض وفات میں علاقہ کے علماء کو دعوت دی کہ میں تائب ہو رہا ہوں چنانچہ متعدد عالم اس کے مکان پر گئے۔ لیکن جب مولانا مرحوم کو اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا کہ یہ عجیب معاملہ ہے کہ کفر کی اشاعت تو مشرق سے مغرب تک کی ہے اور توبہ مکان کے اندر کر رہا ہے۔ ان سر افسر وان جہرا فجہر۔

حضرت مولانا مرحوم اساتذہ اور ان کی اولاد کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے استاد کی قبر کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ تو تین چار فرلانگ چلنے کے باوجود جوتے بغل میں دبائے رکھے اور کسی شاگرد کو نہ دیئے۔ آپ فرماتے تھے کہ ہمارے خاندان کو علم کی یہ نعمت خدمت کی وجہ سے ملی ہے۔

ایک بزرگ عالم مدرس سخت بیمار ہوئے اور ان کو جگری اسہال شروع ہوئی تو تمام طلبہ سامان لے کر دوسرے درس میں چلے گئے۔ صرف ہمارے بعض آباء ان کے پاس رہے۔ اور ان کی خدمت کرتے رہے حتیٰ کہ کفن دفن وغیرہ کی تمام خدمات انجام دیں۔ اور انہوں نے اس خاندان کے لئے خیر و برکت، رشد و ہدایت، علم و عمل اور اشاعت خیر اور اس کے فیضان عام کی تہہ دل سے دعا کی تھی ؎

نزلہ، زکام کا حملہ کھانسی کا زور
سردیاں کیا آئیں مصیبت آگئی
موسم سرما صحت و تن درستی کو بہتر بنانے کا موسم ہے۔ گھر کا ہر فرد اگر سردیوں کے آغاز ہی سے مناسب احتیاط برتے اور شعالین کی ایک دو ٹکیاں روزانہ باقاعدگی کے ساتھ استعمال کرے تو نزلہ، زکام اور کھانسی سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔
شعالین کے چار قرص تیز گرم پانی میں گھول لیجیے،
جوشاندہ تیار ہے جو نزلہ، زکام اور کھانسی کے لیے بدرجہا مفید ہے۔
ایسی ایک خوراک صبح و شب لیجیے۔
شعالین
نزلہ، زکام اور کھانسی
کی مفید دوا
SUALIN
50 TABL
A HERBAL CU
COUGH, CO
AND
BRONCHI
HAMDARD PAK
شعالین
۵۰ ٹکیاں
SUALIN
A HERBAL CURE FOR COUGH, COLDS AND BRONCHITIS
ہمدرد
نوزو
ناک کے ورم،
سوزش اور بندش
کے لیے مفید۔
ایک پھوار ناک
کھول دیتی ہے۔
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان
Adarts SUA-4/84

فضلاء درس نظامی کے مسائل اور جمعیت اہلسنّت کے مطالبات

جمعیت اہلسنّت والجماعت کا ایک اہم اجلاس مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کے خطیب مولانا محمد عبداللہ کی صدارت میں جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں تفصیلی غور وخوض کے بعد حسب ذیل سفارشات کی گئیں۔ جمعیت اہلسنت کا یہ اجلاس دینی مدارس کے وقار کو نمایاں کرنے اور دینی مدارس کے فاضل طلباء کے روشن مستقبل اور ملک و ملّت کو علماء کرام کی صلاحیتوں سے مستفیض کرنے کے لئے مرکزی اور صوبائی حکومتوں سے حسب ذیل سفارشات پر فی الفور عملدرآمد کا مطالبہ کرتا ہے۔

۱۔ ملک میں دینی مدارس کے فاضل درس نظامی طلباء کو جاری کی جانے والی اسناد الشھادۃ الفضیلۃ، الشھادۃ الفراغ، الشھادۃ العالیۃ، سلطان الافاضل اور شھادۃ العلمیہ فی العلوم العربیۃ والاسلامیۃ کو گورنمنٹ پنجاب مورخہ ۸۰/۳/۸ کو چھٹی نمبری ۸۰/۹(۱-۴) ۵ ڈی میں ایم اے عربی، اسلامیات میں مساوی تسلیم کر چکی ہے۔ لہٰذا مذکورہ قابلیت کے حامل فاضل درس نظامی طلباء کو پنجاب یونیورسٹی میں عربی، اسلامیات کے علاوہ دیگر مضامین میں بھی ایم اے کرنے اور دیگر غیر ملکی یونیورسٹیوں میں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

۲۔ صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی ذاتی دلچسپی سے حکومت پاکستان کی نئی پالیسی کے تحت تمام سرکاری سکولوں میں عربی کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھنے پڑھانے کا فیصلہ اور عربی پڑھانے کے لئے دینی مدارس کے فارغ التحصیل فاضل درس نظامی اساتذہ کا تقرر ایک نہایت قابل تحسین عمل ہے۔ کیونکہ عربی قرآن، حدیث اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور دنیا کے ۲۲ ملکوں کی سرکاری زبان ہے۔ اور عربی کی تعلیم و ترویج سے قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی کے سمجھنے میں خاطر خواہ مدد ملے گی۔ اس لئے ایک اسلامی مملکت کا اسلامی، ملکی اور ملی فریضہ ہے کہ عربی کی تعلیم و ترویج پر بھرپور توجہ دی جائے۔ اور اس کی تعلیم و ترویج کے حامل اساتذہ کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی جائے لہٰذا اجلاس پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ فاضل درس نظامی عربی اساتذہ کا الگ کیڈر مقرر کیا جائے۔ انہیں ٹرینڈ گریجویٹ

تسلیم کرتے ہوئے ملک کے تمام صوبوں میں مساوی طور پر پندرھواں سکیل دے کر عدل و انصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں جیسا کہ قابلیت کے حامل عربی اساتذہ کو مرکزی حکومت میں پندرھواں سکیل دیا جا رہا ہے۔

۳۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر نگرانی تدریب المعلمین کا امتحان پاس کرنے والے تمام عربی اساتذہ کا فکس سکیل ختم کرکے فی الفور رننگ سکیل دینے کے آرڈر جاری کئے جائیں۔ خواہ وہ اساتذہ فیڈرل گورنمنٹ کے سکولوں میں پڑھا رہے ہوں یا صوبائی اسکولوں میں۔

۴۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق سے نسیم صاعرض ہے کہ فاضل درس نظامی کی سند کو گورنمنٹ پنجاب کے ایم اے عربی اسلامیات کے مساوی تسلیم کر لینے کے بعد آرمی ایئرفورس اور کمیشن میں خطابت و امامت کی اسامیوں کے لئے فاضل درس نظامی علماء کے لئے میٹرک کی شرط ناقابل فہم اور زائد از ضرورت ہے۔ جسے فی الفور ختم کرنے کا حکم صادر فرمایا جائے۔ تاکہ آرمی اور ایئرفورس کی مساجد جلد آباد ہو سکیں۔

(مولانا) محمد عبداللہ، اسلام آباد۔ (قاری) سعید الرحمن راولپنڈی۔ (قاضی) احسان الحق تعلیم القرآن راولپنڈی (قاری) محمد امین مہتمم دارالعلوم حنفیہ عثمانیہ راولپنڈی۔ (مولانا) عبدالحکیم جامعہ فرقانیہ مدنیہ راولپنڈی۔ (مولانا) محمد رمضان علوی۔ (حافظ محمد اسحاق۔ (قاری) عبدالمالک اور (مولانا) عبدالستار زبیدی راولپنڈی۔

مجلس شوریٰ میں معلمین دینیات کی آواز معلمین دینیات و قرأت اور عربی مدرسین سکولوں میں نہایت کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ اور شوریٰ کے اجلاس میں جناب والا نے اس مظلوم طبقے کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ جس پر ہم مدرسین عربی و اسلامیات و قرأت جتنا بھی شکریہ ادا کریں، کم ہے۔ اللہ تعالیٰ جناب والا کو جزائے خیر دے۔ اور آئندہ بھی حق گوئی کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ظلم کے ایوانوں میں مظلوموں کی فریاد کی صدائے بازگشت ہوتی رہے۔ ہم صوبہ سرحد اور فاٹا کے تمام معلمین دینیات اور قرأت و عربی مدرسین جناب والا کے بے حد ممنون ہیں۔

گل شیر۔ صدر تنظیم العلماء اساتذہ خیبر ایجنسی و جنرل سکریٹری فاٹا

جہاد افغانستان اور علماء درس نظامی الحق کے علمی مضامین بہت ہی اونچے پایہ کے ہیں۔ ہندو پاکستان کے اکثر دینی و علمی رسائل بندہ کی نظر سے گذرتے رہتے ہیں مگر الحق کا انداز واقعی نرالا ہے۔ آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہو کہ الحق کے جتنے سلسلہ وار مضامین ہیں ان میں سب سے پسندیدہ مضمون "دارالعلوم کا شب و روز" ہے اور اس میں آپ نے جو انداز اختیار کیا ہے اس سے نہ صرف دارالعلوم بلکہ کبھی کبھی پاکستان اور عالم اسلام کے دینی، علمی اور ثقافتی احوال بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ میرا یہ یقین ہے کہ آئندہ چل کر یہ ایک قیمتی، نادر، تاریخی اور علمی دستاویز کی حیثیت حاصل کرے گا۔

پھر مجھے آپ ہی کے پرچے کے ذریعے افغان مجاہدین کی صحیح اور حقیقی، ایمان افروز واقعات معلوم ہوئے جس سے

ہمارے سامنے ایک نیا باب کھل گیا ہے۔ افغان مجاہدین نے اپنی قربانیوں سے ارشاد باری تعالیٰ والذین اتبعوہم باحسان (الیٰ یوم القیامہ) کا مصداق ہونا ثابت کر دیا ہے۔ پاکستان کے باہر بہت کم لوگوں کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ دارالعلوم اور مدارس درس نظامی کے فضلاء افغانستان کے جہاد میں نہ صرف حصہ لے رہے ہیں بلکہ قیادت بھی کر رہے ہیں۔ اس طرح انہوں نے خیر القرون کی یاد تازہ کر دی۔ فجزاہم اللہ خیر الجزاء۔

ڈاکٹر محمد اسحاق ڈھاکہ یونیورسٹی۔ بنگلہ دیش

نفسیاتی مریض نہیں انگریزوں کا آلہ کار | "الحق" جولائی ۱۹۸۴ء کے شمارہ میں جناب ارشد[illegible] ایم اے (نفسیات) کا مضمون بعنوان "مرزا غلام احمد نبی یا نفسیاتی مریض" پڑھ کر حیرت ہوئی کہ صاحب موصوف نے ماہر نفسیات ہونے کے زعم میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو ہیرا نائے کا مریض بنا کر ان کے تمام باطل دعوے جات کو اس مرض کا لازمی نتیجہ قرار دیا ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی کے فعل ارتداد کو بالکل ہی ختم کر دیا ہے۔ بلکہ مرزا صاحب کو ایسا کرنے میں مجبور محض گردانا ہے۔ حالانکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق عام خیال یہی ہے بلکہ یقین کے درجے تک یہ بات پہنچ چکی ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے آقا انگریزوں کے ایما پر نبی ہونے کا ڈھونگ رچایا تھا تاکہ امت محمدیہ میں انتشار پھیل جائے اور پھوٹ پڑ جائے جس کا سب سے بڑا ثبوت ان کی ترک جہاد کی تعلیم ہے۔

خلیل الرحمان قادری۔ راولپنڈی صدر

★ قادیانیوں کے خلاف مہم میں ایک حد تک کامیابی ہوئی۔ مگر اس کارروائی پر اب عمل ہونا چاہئے۔ اس فرقہ کو یہودِ ثانی کا نام دیا جائے۔ ان مار آستینی دشمنوں کا ممتاز مناصب پر فائز ہونے کا جواز ہرگز نہیں۔ الحق میں افغان مجاہدین کے ساتھ ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی حالت زار پر بھی مواد شائع ہونا چاہئے۔ اور بھارت سے منگوائے گئے مستند مراسلے شائع کئے جائیں۔

خیل اللہ۔ تھائی لینڈ

★ تردید | خان غازی کابلی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ میں نے خانقاہ مرزا مظہر جانجاناں کو درگاہ شاہ ابوالخیر بنا دیا ہے۔ اس کا صحیح نام یہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔

پروفیسر محمد اسلم لاہور

✡✡✡✡✡✡✡✡✡✡

بقیہ جھوٹے نبی از صفحہ ۳۴

ہوئے سادہ لوح اللہ کے بندوں کو پھر سے مسلمان بنانے کے لئے برابر کے ذمہ دار ہیں ورنہ قیامت میں ان پر سخت عذاب ٹوٹے گا۔ قانون کا بن جانا کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ کام تو ہمیں پاکستان بنتے ہی کرنا چاہئے تھا۔ اصل کام یہ دیکھنا ہے کہ قانون کا مقصد پورا ہوتا ہے یا نہیں؟

نبوت کے چور دروازے ایک سے زیادہ ہیں ان میں سے کسی دروازے سے نکلنے والا بھی اسلام کے لئے اتنا ہی خطرناک ہے جتنا مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی ہو کہ عبداللہ بن سبا ہمیں ہر ایک سے ہوشیار رہنا ہے۔ اس لئے اسلام کے خدمت گذاروں کو چاہئے کہ مسلم رائے عامہ کو بیدار رکھیں۔ جو وقت پر خطرے کو نہیں بھانپتے اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد نہیں کرتا۔

نوٹس طلبی ٹینڈر

کمیونیکیشن اینڈ ورکس ڈیپارٹمنٹ ان منظور شدہ ٹھیکیداروں سے جنہوں نے برائے مالی سال ۸۵-۱۹۸۴ء سالانہ رجسٹریشن فیس جمع کرادی ہو۔ درج ذیل کاموں کے لئے سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں۔ ٹینڈر مورخہ ۲۱-۱۰-۱۹۸۴ء کو دوپہر ۱۲ بجے زیر دستخطی کے دفتر میں ٹھیکیداروں یا ان کے مجاز نمائندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

۱- مشروط ٹینڈر یا بذریعہ تار ملنے والے ٹینڈر قبول نہیں کئے جائیں گے۔

۲- زربیعانہ تخمینہ لاگت کے دو فیصد کی شرح سے کال ڈپازٹ یا کیش کی صورت میں ٹینڈر کے ہمراہ منسلک ہونا چاہیئے۔

۳- ٹینڈر فارم ٹینڈروں کے کھولنے کی تاریخ سے کم از کم ایک دن قبل جاری کئے جائیں گے۔

۴- تمام دیگر شرائط وضوابط/تفصیلات دفتری اوقات کے دوران زیر دستخطی کے دفتر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۵- اتھارٹی کو بلا اظہار وجوہ کسی یا تمام ٹینڈروں کو منظور یا مسترد کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

نمبر شمار	کام کا نام	تخمینہ لاگت	زربیعانہ	سیکورٹی ڈیپازٹ بشمول زربیعانہ	مقررہ مدت	ٹینڈر کھولنے کی تاریخ
۱-	سول کلرکس کوارٹرز کوہاٹ روڈ پشاور میں ۱۱ عدد ایس-I ٹائپ کوارٹروں کی سالانہ مینٹی ننس اور خصوصی مرمتیں	۱,۷۵,۰۰۰ روپے	۳۵۰۰/= روپے	۱۷۵۰۰/= روپے	۳ ماہ	۲۱ ۱۰/۱۹۸۴
۲-	سول کلرکس کوارٹرز کوہاٹ روڈ پشاور میں ۱۲ عدد ایس-II ٹائپ کوارٹروں کی سالانہ مینٹی ننس اور خصوصی مرمتیں	۱,۲۸,۰۰۰ روپے	۲۵۶۰/= روپے	۱۲۸۰۰/= روپے	۳ ماہ	۲۱ ۱۰/۱۹۸۴
۳-	سول کلرکس کوارٹرز کوہاٹ روڈ پشاور میں ۲۲ عدد ایس III ٹائپ کوارٹروں کی سالانہ مینٹی ننس اور خصوصی مرمتیں	۱,۴۳,۰۰۰ روپے	۲۸۶۰/= روپے	۱۴۳۰۰/= روپے	۳ ماہ	۲۱ ۱۰/۱۹۸۴

(فضل محمود) ایگزیکٹو انجنیئر

بلڈنگ مینٹی ننس

ڈویژن پشاور

INF(P) 2310 -

شفیق فاروقی
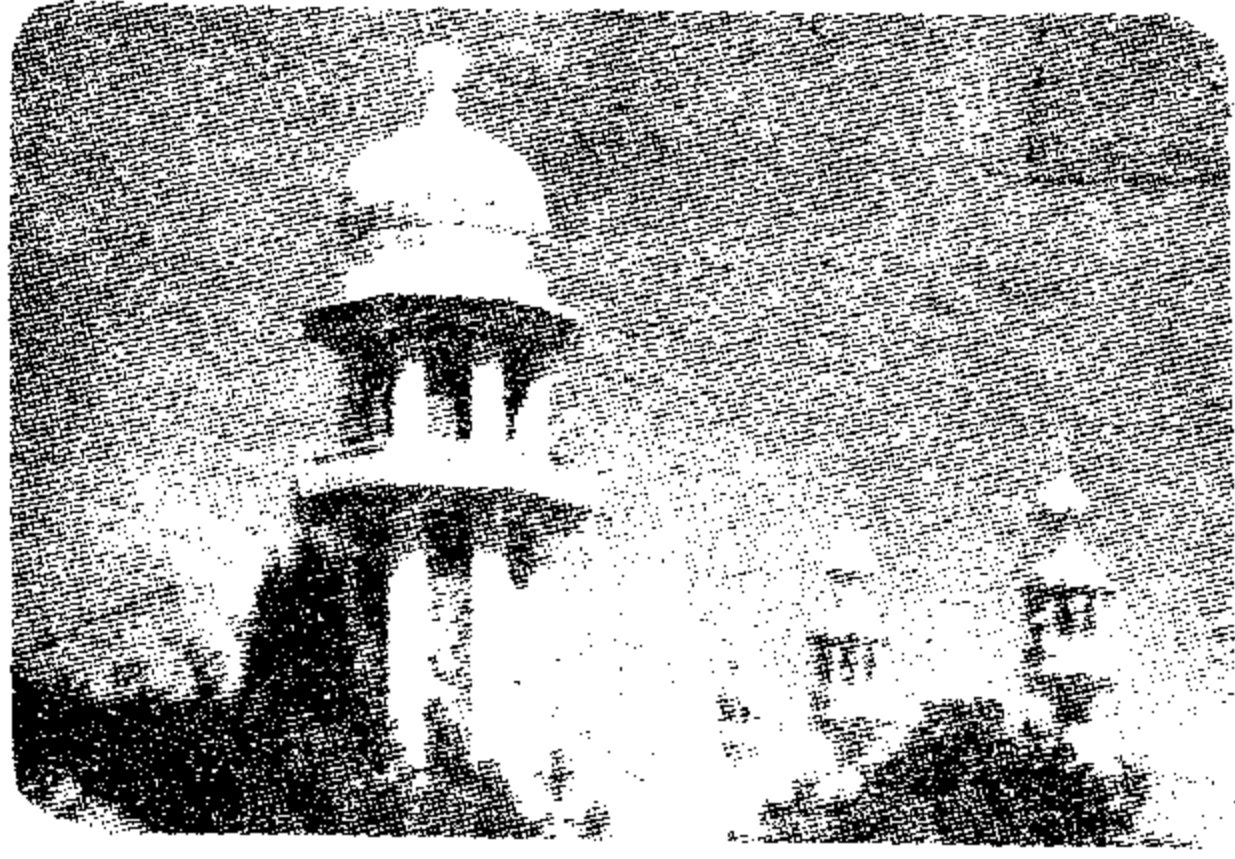
دارالعلوم حقانیہ کے شب و روز

○ **ربوہ کانفرنس میں شرکت** ۱۲؍اکتوبر، مولانا سمیع الحق صاحب قادیانیوں کے عالمی مرکز ربوہ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقدہ ۱۲ ؍ ۱۳؍اکتوبر میں شرکت کی غرض سے ربوہ تشریف لے گئے۔ جاتے ہوئے راستہ میں تحریک خدام اہلسنت والجماعت کے بانی و امیر مولانا قاضی مظہر حسین صاحب اور ممتاز نقشبندی بزرگ مولانا حافظ غلام حبیب صاحب اور ان کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے چکوال میں ملاقات کی۔ بعد ازاں ان کے ادارے سرسری طور پر دیکھے۔ ۶ بجے شام ربوہ پہنچے۔

اسی روز رات کے اجلاس میں ساڑھے دس بجے مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیراہتمام ختم نبوت کانفرنس کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب فرمایا۔ دوسرے روز صبح ربوہ میں مسلمانوں کے تعلیم الاسلام کالج کا معائنہ کیا۔ جہاں کالج کے پرنسپل اور اساتذہ کے سٹاف نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ کالج کی جامع مسجد کے معائنہ کے بعد پرنسپل سے کالج کے کئی اہم مسائل اور مسلمان سٹاف کو درپیش مسائل پہ تبادلۂ خیال ہوا۔ پرنسپل صاحب ایک حد درجہ مخلص دین کے خادم اور فرض شناس انسان ہیں۔ ان کی بہترین کارکردگی اور ادائیگی فرض میں جان کوشی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اسی روز ربوہ کی جامع مسجد احرار بھی جانا ہوا مسجد احرار کے خطیب مولانا اللہ یار صاحب راشد سے ملاقات ہوئی۔ یہ وہی مولانا اللہ یار ہیں جن پر پچھلے دنوں مرزائیوں نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ ربوہ میں کھلا تفریحی چکر بھی لگایا۔ مرزائیوں کی عبادت گاہ اقصیٰ، قصر خلافت، بہشتی مقبرہ اور گول بازار وغیرہ میں خوب آزادی سے گھوم پھر کر ریلوے اسٹیشن کی جامع مسجد محمدیہ اور جامع مسجد ختم نبوت پہنچے۔ اس کے معائنہ کے بعد ایک بجے واپسی ہوئی۔ کانفرنس کے دوران مجلس عمل کے زعماء سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ ربوہ شہر کے اس دورہ میں مولانا محمد شریف صاحب جالندھری جنرل سیکرٹری مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان آپ کے ہمراہ رہے۔ ان ہی کے تعارف و رہنمائی میں یہ پروگرام انجام پذیر ہوا۔ احقر شفیق فاروقی بھی آپ کا ہمسفر رہا۔

○ **اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد** ۱۰؍اکتوبر۔ اسلامی یونیورسٹی واقع فیصل مسجد اسلام آباد کی اہم میٹنگ

میں مولانا نے شرکت کی۔ یہ اجلاس ملک و بیرون ملک اسلام کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں ایک پروگرام اور لائحہ عمل مرتب کرنے کے سلسلہ میں بلایا گیا تھا۔

○ اتحاد مجاہدین افغانستان کمیٹی میں شمولیت ۱۷ اکتوبر۔ افغان مجاہدین کے مختلف گروپوں میں اتفاق و اتحاد کے سلسلہ میں پورے عالمی سطح پر کوششیں شروع ہوگئی ہیں۔ اسی سلسلہ میں امام کعبہ جناب عبداللہ بن السبیل اور ان کے ہمراہ جناب ڈاکٹر عبداللہ نصیف جنرل سیکرٹری رابطہ عالم اسلام اور شیخ عبداللہ الزاہد سابق وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی اور کویت و عرب امارات کے بعض اہم ذی اثر افراد کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ اس کمیٹی میں عالم عرب کے مذکورہ افراد کے علاوہ پاکستان کے چار افراد بھی شامل کئے گئے ہیں جن میں ایک جناب مولانا سمیع الحق صاحب ہیں۔ اس کمیٹی کے اراکین پشاور تشریف لائے۔ اور پشاور میں اس کے مسلسل کئی روز تک اجلاس جاری رہے۔ جن میں مولانا سمیع الحق بھی شریک رہے۔ اور مختلف افغان زعما سے کمیٹی نے ملاقاتیں کیں۔ اتحاد کے ان مساعی کا یہ سلسلہ ابھی جاری رہے گا اور مذکورہ کمیٹی کے بہت جلد پھر اجلاس ہوں گے۔

○ عالم اسلام کے دو سکالروں سے مجلس مذاکرہ ۱۴ اکتوبر۔ دیت و قصاص کے مسئلہ پر صدر پاکستان کی خواہش پر عالم اسلام کے مشہور محقق علما، ڈاکٹر مصطفےٰ احمد الزرقا شام اور سعودی عرب کے ڈاکٹر معروف الدوالیبی کے ساتھ ایک مجلس مذاکرہ ہوا جس میں پاکستان سے مختلف مکاتب فکر کے چند جید علما نے حصہ لیا۔ مولانا سمیع الحق صاحب کو بھی اس میں دعوت دی گئی تھی۔ آپ نے قصاص دیت کے موضوع پر اس مجلس مذاکرہ میں وہی موقف اختیار کیا جس کی ترجمانی آپ نے شوریٰ میں اختیار کی تھی۔ اور بحمداللہ تمام علما نے عرب علما پر واضح کیا کہ اجماعی اور واضح طے شدہ مسائل میں نہ تو اجتہاد کے لئے گنجائش ہو سکتی ہے نہ کسی کے شخصی تاویل و تحقیق سے شریعت کے مسائل تبدیل کئے جا سکتے ہیں۔ یہ اجلاس جو مرکزی وزیر حج و اطلاعات راجہ ظفر الحق صاحب کی صدارت میں پانچ گھنٹے جاری رہا صدر پاکستان کے گیسٹ ہاؤس میں منعقد ہوا۔

○ مولانا عبداللہ درخواستی کی آمد ۲۰ اکتوبر۔ نظام العلماء پاکستان کے امیر مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب سے ان کے دولت خانہ پر ملاقات کی۔ حضرت درخواستی مدظلہ کی آمد کا سن کر دور دراز سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ دارالعلوم حقانیہ قدیم (حضرت شیخ الحدیث کے گھر کے ساتھ والی مسجد) کھچا کھچ بھر چکی تھی۔ حضرت درخواستی نے نماز جمعہ سے قبل درس دینا تھا۔ ان کی تقریر سے پہلے مولانا عبدالقیوم حقانی نے اکابر علماء دیوبند کی دارالعلوم حقانیہ کی سرپرستی، خصوصی توجہات و تعلقات پر روشنی ڈالی۔ اور اضیاف کی تشریف آوری پر حضرت شیخ الحدیث اور دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ۱۴ منٹ کے درس قرآن کے بعد حضرت درخواستی نے نماز جمعہ پڑھائی۔ اور عصر کی نماز تک

حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ رہے۔ نماز کے بعد واپسی ہوئی۔

○ **جرمن صحافی کی آمد** | ایک جرمن سیاح اور صحافی اور وہاں کے ایک جریدہ کے نمائندہ جناب ارٹون کیمپل، دارالعلوم دیکھنے اور اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات کی، اور معلومات حاصل کیں۔ دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات دیکھے بے حد محظوظ اور متاثر ہوئے۔ اس کے بعد مولانا سمیع الحق کے ہاں ان کے دولت کدہ پر دوپہر کا کھانا کھایا۔ جاتے ہوئے دارالعلوم کے بارے میں اچھے تاثرات اور نیک جذبات کا اظہار کیا۔

○ **ڈاکٹر مصلح الدین کی آمد** | ۲۱ر اکتوبر۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے مشیر تعلیم جناب ڈاکٹر مصلح الدین صاحب دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے دفتر اہتمام میں ملاقات کی اور دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات دیکھے۔ گھنٹہ دو قیام کے بعد واپسی ہوئی۔

○ **کتابوں کا عطیہ** | سعودی عرب کے ادارہ بحوث علمیہ والافتاء کی جانب سے دارالعلوم حقانیہ کے کتب خانہ کے لیے اہم کتابوں کا ایک گرانقدر عطیہ موصول ہوا جس میں شرح السنۃ للبغوی، المغنی لابن قدامۃ بذل المجھود۔ فتاویٰ ابن تیمیہ (۳۷ جلدوں میں) نیل الاوطار اور ان جیسی دیگر کئی اہم کتابیں شامل ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ سعودی عرب کے اس قدر عنایت اور خصوصی توجہ اور علمی تعاون پر صد درجہ شکر گذار ہے۔

○ اسی طرح مولانا محمد عظیم صاحب سکنہ بره زئی چھچھ کی جانب سے کچھ کتابوں کا اہم ذخیرہ بھی دارالعلوم کو موصول ہوا۔ جسے مولانا اعجاز حسین صاحب ناظم کتب خانہ نے جا کر وصول کیا۔

مولانا محمد عظیم صاحب موصوف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے دیوبند جانے سے قبل دور کے تلامذہ میں سے ہیں۔

خداوند تعالیٰ مولانا موصوف کا یہ صدقہ تاقیامت جاری رکھے۔